ترک موالات

اور

احکام اسلام

حضرت فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

نے

ناظر صیغہ تالیف واشاعت قادیان دارالامان نے

قیمت ۸ / ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء بار اول تعداد

التماسِ ضروری

ایُّھا الاحباب!

السلام علیکم

میں نے یہ رسالہ محض ہمدردیٔ احباب کو مدِّنظر رکھ کر لکھا ہے۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ اس کے ذریعہ ہر ایک وہ شخص جو قرآن کریم اور ارشاداتِ نبویؐ کا شیدائی ہے

ترکِ موالات کے مسئلہ کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکے قابل ہو جائیگا

لیکن میری یہ غرض اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ رسالہ تمام ایسے لوگوں کے ہاتھ تک نہ پہنچے۔ جن کو اس مسئلہ سے ایک یا دوسرے رنگ میں دلچسپی ہے۔

پس میری اُن تمام اصحاب سے جو ملّت خیرالانام سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس کے احیاء کے متمنی ہیں۔ درخواست ہے کہ وہ اس رسالہ کو جہاں تک ہو سکے اپنے دوستوں واقفوں شناساؤں اور ہم وطنوں تک پہنچائیں۔ اور اس خطرناک رَو کے روکنے میں پوری سعی کریں جو اسلام کے بدنام کرنے کا باعث ہو رہی ہے۔ اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کے مٹانے کا ذریعہ بن رہی ہے۔ یہ وقت غفلت کا نہیں ہے۔ اسلام پہلے ہی بہت صدمہ خوردہ ہے۔ اور اسکی پاک اور پُرامن [illegible] ڈالے جا چکے ہیں۔ اب زیادہ تعلّل قابلِ برداشت نہیں [illegible] بے طعنوں کے ڈر کے اسکی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ بیشک [illegible] سے بُزدل کہینگے۔ اور خوشامدی نام رکھینگے لیکن اگر اسلام [illegible] تیں آپکا نقصان نہیں کر سکتیں وہ شخص بہادر نہیں ہوتا جو بُزدل کہلانے سے ڈر جاتا ہے۔ اور نہ وہ بڑا بہادر ہوتا ہے جو حق کو اس لئے نہیں چھوڑ دیتا۔ کہ لوگ اُسے بُزدل کہینگے۔

خاکسار مرزا محمود احمد

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

ترکِ موالات اور احکامِ اسلام

ہندوستان کی موجودہ بے چینی

ان ایّام میں تمام ہندوستانیوں میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً جو بے اطمینانی اور جوش پھیل رہا ہے۔ وہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی انسان اسکی طرف سے آنکھ بند کر رکھے۔ تکلیف اور دُکھ تو غیر کا بھی نہیں دیکھا جاتا۔ کُجا یہ کہ اپنے بھائیوں اور اہلِ وطن کا۔ پس اس غیر مطمئن اور گھبراہٹ کی حالت کو دیکھ کر جو مسلمانوں پر خصوصاً اور باقی اہلِ ہند پر عموماً طاری ہے۔ ایک دردمند دِل درد محسوس کئے بغیر اور اس سے نجات دِلانے کے لئے جد و جہد کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا ❊

بے چینی کے وجوہات

اس غیر مطمئن حالت کی دو بڑی وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ ایک وہ فیصلہ جو ترکی حکومت کے متعلق اتحادی حکومتوں نے کیا ہے۔ اور ایک وہ ہتک آمیز اور سخت رویّہ جو شورش پنجاب کے وقت بعض افسران گورنمنٹ

نے اختیار کیا تھا۔ اور جس کی بڑی مثالیں رینگ کر چلنے کا حکم اور جلیانوالہ باغ کے واقعات ہیں۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں معاملوں میں گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے افسران سے ضرور غلطی ہوئی ہے۔ اول الذکر فیصلہ میں بعض ان اُمیدوں کو جو خود وزرائے انگلستان نے عالم اسلامیان کے مطالبہ کے دلائی تھیں پُورا نہیں کیا گیا۔ اور یقیناً ترکوں سے وہ سلوک نہیں کیا گیا جو دوسری مسیحی حکومتوں سے کیا گیا ہے۔ ترک مجرم سہی مگر وہ اتنا مجرم نہ تھا۔ جتنا کہ جرمن لیکن جرمن سے جو سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس قدر سلوک بھی ترک سے نہیں کیا گیا۔ اور یہ عمل ان اعلانوں کے باوجود ہُوا ہے۔ جو اس سے پہلے شایع کئے جا چکے تھے! اور جنمیں بالکل برعکس فیصلہ کی اُمید دلائی جاتی تھی۔

اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رینگ کر چلنے کا حکم ایسا وحشیانہ اور ظالمانہ ہے کہ کوئی شخص بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے خلاف اگر ہندوستانیوں کو غصہ پیدا ہو تو یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ اسی طرح جلیانوالہ باغ کے واقعہ میں بھی جس سختی سے کام لیا گیا ہے وہ نہائت ہی قابل افسوس ہے۔ اور جنرل ڈائر کا یہ قول کہ وہ اسلئے گولیاں چلاتے گئے کہ تا ملک کے دوسرے حصہ پر اثر ہو۔ اور بغاوت فرو ہو جائے۔ ان کے مُجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ بیان کہ جنرل ڈائر کا فعل اجتہادی غلطی ہے۔ درُست نہیں۔ کیونکہ اجتہادی غلطی وہ ہوتی ہے کہ جس کا وقوع ایسے حالات میں ہو کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے دونوں کے دلائل موجود ہوں۔ لیکن اُس جماعت پر گولیاں چلانا جو ہتھیار ڈال چکی ہو۔ اور اپنے عمل سے اپنی غلطی کا اقرار کر رہی ہو خود میدان جنگ میں بھی جائز نہیں۔ جب کوئی فوج ہتھیار ڈالدے تو اسپر وار کرنا جائز نہیں۔ بارہا جرمن فوجوں کے خلاف یہ خبر شائع کی جاتی تھی۔ کہ بعض جگہ صُلح کی جھنڈیاں دیکھ کر بھی وہ گولہ باری سے باز نہیں آتے تھے۔ اور اس طرح ان کا وحشیانہ پن ثابت کیا جاتا تھا۔ پھر وہی بات جو میدان جنگ میں بھی ناجائز تھی۔ ایک ایسی جماعت کے مقابلہ میں کس طرح جائز ہو سکتی تھی۔ جو گو احکام کی خلاف ورزی کرنیوالی تو ضرور تھی۔ لیکن نہ تو ان معنوں میں برسر جنگ تھی جن معنوں میں کہ ایک فوج دوسری فوج سے برسرِ جنگ ہوتی ہے۔ اور نہ مارشل لاء کے قواعد سے واقف تھی۔ کیونکہ یہ قانون ان کی زندگی میں پہلی دفعہ جاری ہُوا تھا

اور ایک تجربہ کار جرنیل اس امر سے کس طرح ناواقف ہو سکتا تھا کہ جب ایک فوج ہتھیار ڈال دے تو دوسری فوجوں پر رعب ڈالنے کے لئے اس پر گولیاں چلانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہیگ کنونشن میں صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس دشمن کو زخمی کرنا یا مارنا جس نے اپنے ہتھیار ڈالدیئے ہوں یا جس کے پاس اپنی حفاظت کا کوئی سامان نہ رہا ہو۔ اور اس نے مقابلہ ترک کر دیا ہو۔ بالکل ناجائز ہو گا۔ اسی طرح یہ کہ یہ اعلان کر دینا کہ خواہ دشمن مقابلہ ترک ہی کر دے۔ اس سے رحم کا سلوک نہ کیا جائیگا۔ جائز نہ ہو گا۔ مارشل لاء کے قوانین میں یہ شرط ہے کہ فوجی قوانین کا لحاظ کیا جائے اور بلووں کے دبانے کے لئے جو اختیارات فوجیوں اور پولیس کو دیئے گئے ہیں ان میں کہیں نہیں لکھا کہ ان کا کام یہ ہے کہ رعب ڈالکر بلوہ کو مٹائیں۔ بلکہ ان کا کام ہر فساد کے موقعہ پر اس خاص صورت کا لحاظ کرنا ہے جو اسوقت ان کے سامنے ہے۔ اور جان لینا اسی وقت جائز رکھا گیا ہے جبکہ باغی جائداد تباہ کر رہے ہوں یا قتل و غارت میں مشغول ہوں یا افسروں کے احکام کے باوجود اجتماع کو پراگندہ نہ کریں۔ اور پراگندہ کرنے کی کوشش میں سرکاری آدمیوں کا مقابلہ کریں۔ لیکن بصورت جلیانوالہ باغ میں پیدا نہ تھی۔ لوگ پراگندہ ہونے شروع ہو گئے تھے اور ان کے بھاگنے پر ان پر گولیاں چلانا نہ فوجی قانون کے لحاظ سے جائز تھا نہ ملکی قانون کے لحاظ سے۔ اور اس میں تجربہ کار جرنیل کو دھوکا نہیں لگ سکتا تھا۔

یہ واقعات واپس نہیں ہو سکتے

غرض یہ دونوں واقعات ضرور ظالمانہ تھے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا کوئی قوم ان گذشتہ واقعات کو جو ہو چکے ہوں پھیر سکتی ہے بالیقین جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اور اب اس فعل کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس اعلان کو مدنظر رکھتے ہوئے جو حضور قیصر ہند کی طرف سے پچھلے سال شائع ہوا تھا۔ اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہندوستانیوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس موقعہ پر قانون کی اس طرح پابندی نہیں کی جس طرح کہ کرنی چاہیئے تھی رہا کر دیئے گئے ہیں اور ان کے جرم معاف کر دیئے گئے ہیں ہمیں بھی چاہیئے کہ ان گذشتہ واقعات کی تاریک یاد کو دل سے نکال دیں اور آئندہ کی بہتری کی طرف توجہ کریں۔

اے عزیزو! صلح اور محبت ایک پاک چیز ہے۔ اور فساد اور فتنہ ناپاک ہے۔ خدا کا پیارا

بٹنے کے لئے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کے لئے محبت اور عفو کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :- ومن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنے جو شخص درگذر کرتا ہے۔ اور اصلاح سے کام لیتا ہے۔ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ پر ہے"۔ تمہاری خفگی اور غصہ کی جو غرض تھی۔ وہ پوری ہو گئی۔ وہ لوگ جن سے یہ افعال ہوئے تھے۔ ان کے ان افعال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ گورنمنٹ نے اس بات کا عہد کر لیا کہ آیندہ پوری احتیاط کی جاویگی۔ اور اس قسم کے واقعات نہ ہونے دئیے جاوینگے۔ اس اخلاقی فتح سے زیادہ اور آپ لوگ کیا حاصل کر سکتے تھے۔ اگر جنرل ڈائر کو کوئی قتل بھی کر دے یا بعض افسروں کو مار ڈالا جائے۔ تو کیا یہ بات اس سے زیادہ ہوگی۔ جو اب آپ لوگوں کو حاصل ہوئی ہے یعنے ان کے افعال کو غیر منصفانہ قرار دیا گیا ہے۔ ان کو ملازمتوں سے ریٹائر کر دیا گیا ہے اور آیندہ کے لئے ایسے واقعات کے روکنے کے لئے گورنمنٹ نے وعدہ دیا ہے۔ اور اس کے لئے قواعد بھی بنا دئیے ہیں۔

جنرل ڈائر کے حامیوں اور ان کے مخالفین کی غلطی

یہ سچ ہے کہ بعض انگریز تعصب کی وجہ سے جنرل ڈائر کی مدد کے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ لیکن اے عزیزو! یہ غلطی آپ سے بھی ہوئی ہے کہ جلیانوالہ باغ کے مقتولوں کی یادگار کو آپ نے بھی تازہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ بے شک ان لوگوں پر ظلم ہوا۔ کہ باوجود اس کے کہ انہوں نے جلسہ کو منتشر کرنا چاہا۔ اور اس جگہ سے جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان پر گولیاں برسائی جاتی رہیں۔ اور دوسروں پر رعب ڈالنے کے لئے وہ قربان کئے گئے۔ مگر اے عزیزو! کیا اس میں کوئی شک ہے کہ گو ان کی یہ سزا نہ تھی۔ جو دیگئی مگر کیا وہ حکومت کے قوانین کو توڑنے والے نہ تھے۔ جس طرح جنرل ڈائر کی یاد کو تازہ رکھ کر بعض انگریز غلطی کر رہے ہیں۔ اور اس کے فعل کو پسند کر کے ظلم کے مؤید بن رہے ہیں اور اپنی قوم پر ایک دھبہ لگا رہے ہیں۔ اسی طرح کیا وہ لوگ غلطی نہیں کر رہے۔ جنہوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولوں کے لئے چندہ کیا؟ اور کیا وہ یادگار جو اس روپیہ سے قائم کی جائیگی ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی آیندہ نسلوں کو اس امر کی طرف متوجہ نہ کریگی کہ حکومت کے قوانین کو توڑنے میں

کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ اور کیا آئندہ جب ہندوستان کو حکومت خود اختیاری ملیگی۔ تو ہم میں سے بعض کا یہ فعل اس حکومت کے انتظام میں خلل ڈالنے والا نہ ہوگا؟ بیشک بعض کہیں گے کہ ظالمانہ حکم کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ ایک ہی حکم کو ایک شخص ظالمانہ اور دوسرا غیر ظالمانہ قرار دیتا ہے۔ اور یہ بات لوگوں پر چھوڑ دینا کہ وہ ظالمانہ یا غیر ظالمانہ احکام میں آپ ہی امتیاز کر لیا کریں۔ اور جو حکم ان کو ظالمانہ نظر آوے اسکی پابندی نہ کیا کریں ایسا خطرناک قدم ہے کہ اس کے اُٹھاتے ہی انسان امن صلح کے میدان سے نکلکر فساد و شورش کے علاقہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ظالمانہ فعل وہی ہے جس کا اختیار قانون کسی کو نہ دیتا ہو۔ اور اگر قانون ہی کسی فعل کو جائز قرار دیتا ہے تو خواہ وہ ظالمانہ نظر آئے اس کا توڑنا خلاف اصل ہے۔ ظلم برداشت کر سکنے کی طاقت خود ایک ایسا سبق ہے جو مدارج عالیہ کے حصول کے لئے ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسے قانون کی پابندی نہیں کر سکتا تو اس کا فرض ہے کہ ملک کا امن تباہ کرنے کی بجائے خود اس ملک کو چھوڑ کر چلا جائے۔ اور دوسروں کے امن کو برباد نہ کرے۔

پس اے برادران! یہ دونوں فعل نادرست ہیں۔ جنھوں نے جنرل ڈائر کی حمایت کی یا زمین پر رینگنے کے حکم کو جائز قرار دیا یا جنھوں نے جنرل ڈائر کی مدد کے لئے چندہ کیا۔ انھوں نے ظلم کی حمایت کی۔ اور عدل و انصاف کو قومی تعصب پر قربان کر دیا۔ بلکہ اپنے قومی فوائد کو دھڑہ بندی پر قربان کر دیا۔ اسی طرح جنھوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولین کی یادگار کیلیئے چندہ کیا۔ انہوں نے بھی قانون شکنی کے فعل کو سراہا اور آئندہ کیلیئے لوگوں کو حکومت کے احکام کو پس پشت ڈالنے کی ترغیب دیکر ہندوستان کے مستقبل کو تاریک کرنا چاہا۔ پس ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ کہ اگر قانون شکنی کی روح کو اس طرح پیدا کیا گیا۔ تو اس کا کیا نتیجہ نکلیگا۔ گورنمنٹ برطانیہ کا خیال دل سے نکالکر یہ تو سوچو کہ اگر ہندوستانیوں کی اپنی حکومت ہو تو کیا تم اس کو جائز سمجھو گے کہ حکومت کے جس حکم کو کوئی درست نہ سمجھے۔ اس کو رد کر دے۔ اور اس کا مقابلہ کرے۔ کیا کسی حکومت کا کوئی بھی حکم ہے کہ جسے ساری کی ساری رعایا درست سمجھتی ہو۔ پھر کیا جو لوگ کسی حکم کو درست نہ سمجھیں۔ ان کا حق ہے کہ اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیں۔ اگر یہ طریق جائز قرار دیا جائے۔ تو کیا کوئی حکومت بھی جو خواہ کیسی ہی آزاد اور کیسی ہی اعلیٰ ہو۔ قائم رہ سکتی ہے؟ ذرا سوچیں تو سہی کہ اس کا کیا نتیجہ نکلیگا۔ کیا آپ پسند کرینگے کہ ہندوستان

کی حکومت مثلاً یہ حکم دے کہ چور کو قید کیا جائے لیکن ایک مسلمان جس کے مذہب میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ اس حکم کو غیر منصفانہ اور ظالمانہ قرار دیکر خود چور کے ہاتھ کاٹ دے یا ہندوستان کی حکومت زانی کو قانونی مجرم نہ قرار دے تو ایک مسلمان اسکو اپنے طور پر پکڑ کر رجم کر دے یا اور اسی قسم کے معاملات میں جو جس حکم کو ظالمانہ سمجھے۔ اسکے خلاف کرنے لگ جائے۔ یاد رکھیں کہ وہی ملک ترقی کر سکتا ہے۔

جسمیں قانون کے احترام کا مادّہ ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہوگا۔ مگر میں اپنی نسبت کہہ سکتا ہوں کہ میں تو اپنی اولاد کے متعلق ہرگز یہ پسند نہ کروں گا۔ کہ وہ کبھی بھی کسی حکومت کے احکام کو ظالمانہ قرار دیکر ان کی تعمیل سے انکار کر دے۔ ہاں میں یہ پسند کروں گا کہ اگر وہ فی الواقع کسی حکومت کو ظالم سمجھتی ہے۔ تو اپنے سب نفع کا خیال چھوڑ کر اس کے حدود سے باہر نکل جائے۔ اور دنیاوی فوائد کو اپنے ضمیر کی تسلی پر قربان کر دے۔ ہاں یہ بھی ضرور ہے کہ اس امر کا خیال بھی رکھے کہ کبھی انسان فیصلہ کرنے میں غلطی بھی کرتا ہے۔ پس چھوٹے چھوٹے امور پر اور جلد بازی سے غصہ میں آجا دے۔

شاید بعض لوگ کہدیں کہ تم میں وہ قومی جوش اور غیرت نہیں ہے جو ہم میں ہے مگر نہیں۔ یاد رہے کہ قومی غیرت اس چیز کا نام نہیں کہ انسان موقعہ بے موقع طیش میں آجایا کرے۔ اور غصہ کی حالت میں خود اپنی قوم کے اخلاق پر دھبہ لگا دے۔ بلکہ قومی غیرت اس کا نام ہے۔ کہ انسان اپنے جوشوں پر قابو رکھے اور اپنی قوم کے نام کو خلاف مذہب اور خلاف اخلاق اور خلاف تمدن افعال کے الزام سے پاک رکھے۔

پس قومی غیرت کا فقدان نہیں بلکہ خود قومی غیرت مجھے اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ میں ہندوستان کے نیک نام کی حفاظت کروں۔ اور میرے رب کی محبت ہے جو مجھے آمادہ کرتی ہے کہ میں اس کے بندوں کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کروں۔ مجھے گورنمنٹ سے کیا فائدہ ہے کہ میں اسکی تائید کروں گورنمنٹ کا ہمارے خاندان سے تحریری وعدہ تھا کہ وہ اسے کسی قدر پھر اس کی پرانی شوکت پر قائم کرنے کی صورت کریگی۔ لیکن ہم تو اس کے ان پرانے وعدوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے اور اسے وہ وعدہ یاد دلاتے میں بھی اپنی ہتک خیال کرتے ہیں۔ کجا یہ کہ اس سے اور کچھ مانگیں یا اگر وہ دے تو اسے قبول کریں پس میری نصیحت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اور اپنے ملک کے نیک نام کے قائم رکھنے کے لئے ہے۔ نہ کسی اور غرض سے۔

غرض اے بھائیو! حق یہی ہے کہ جلیانوالہ باغ کا جلسہ کرنیوالوں نے قانون شکنی کی اور ان کے غلطی کا عملی طور پر اعتراف کر لینے پر بھی گولیاں چلاتے جانیوالے نے ظلم سے کام لیا۔ مگر جب حکومت نے اس غلطی کا اعتراف کر لیا اور آئندہ کیلئے وعدہ کر لیا کہ ایسا نہ ہو گا تو پھر ہمارا اس تلخ یاد کو تازہ رکھنا مذہبًا اور اخلاقًا ایک مذموم فعل ہے۔ اب ہمیں اس واقعہ کو بھلا کر محنت اور کوشش سے امن کو قائم کرنا چاہیئے یہی اسلام کا مدعا ہے اور اسی کی تعلیم ہر ایک سب اپنے اپنے رنگ میں دیتا ہے۔

ٹرکی کے متعلق اتحادیوں کا فیصلہ

شورش پنجاب کے متعلق تو میں اسوقت اسیقدر لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے اسوقت ایک ایسے امر کے متعلق کچھ لکھنا ہے جو اس واقعہ سے بھی زیادہ لوگوں کے اندر بے اطمینانی پیدا کر رہا ہے۔ میری مراد اس سے وہ فیصلہ ہے جو اتحادی دول نے ترکی حکومت کے متعلق کیا ہے میں لکھ چکا ہوں کہ ترکی حکومت کے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرتے وقت اتحادی دول نے اس دوراندیشی سے کام نہیں لیا جس کا یہ امر مستحق تھا وہ کہتے ہیں کہ ہم دوراندیشی کی وجہ سے مجبور تھے کہ یہی فیصلہ کرتے جو ہم نے کیا ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ فیصلہ بزبان حال پکار رہا ہے کہ اسکے کرتے وقت دوراندیشی اتحادی نوابوں کے قریب بھی نہیں پھٹکی وہ بیٹھے تو اس غرض سے تھے کہ آئندہ کیلئے فسادات کا امکان جاتا رہے۔ مگر کام ان سے وہ ہوا ہے جس نے کروڑوں آدمیوں کے دلوں میں آگ لگا دی ہے۔ اور جسکی موجودگی میں وہ اس امن کے امیدوار نہیں ہو سکتے جس کے وہ خواہشمند تھے۔ کوئی شخص آگ بھڑکا کر ٹھنڈک نہیں پیدا کر سکتا۔ نہ قومی اور مذہبی عناد کو ابھار کر صلح کی امید رکھ سکتا ہے۔

اسمیں کوئی شک نہیں اور کم سے کم میرا یقین ہے کہ گو مذہبی تعصب اس معاہدہ کا جو ترکوں سے کیا گیا ہے باعث نہیں مگر مذہبی تعصب کا اثر اس معاہدہ پر ضرور ہے اور یہی سبب ہے کہ اسکی شرائط ان اصول کے خلاف ہیں جو اتحادیوں نے خود ہی مقرر کئے تھے جیسا کہ میں اپنے مضمون بنام "معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ" میں لکھ چکا ہوں بعض ممالک ترکوں سے ایسے لے لئے گئے ہیں جو ان سے نہیں لینے چاہئیں اور بعض اور علاقوں کو وہ آزادی نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے آرمینیا باوجود وحشی ہونے کے آزاد ہے لیکن شام اور عراق ابتک اس آزادی کو حاصل نہیں کر سکے حالانکہ آرمینی جس وقت بے بس مسلمانوں کے گلے کاٹنے میں لگے ہوئے تھے اسوقت عرب اتحادیوں کی مدد کیلئے اپنے گلے کٹوا رہے تھے امیر فیصل جس نے اپنا آرام اور راحت چین کو اتحادیوں کیلئے قربان کر دیا تھا اسکے ساتھ سخت وعدہ خلافی کی گئی ہے اور وہ کچھ کس مپرسی کی حالت میں ہے کوئی انکا پرسان حال نہیں۔

اتحادیوں نے وعدے ان معنوں میں پورے نہیں کئے جو سمجھے جاتے تھے

یہ بات بھی درست ہے کہ اتحادی وزراء کے وعدے ان معنوں میں پورے نہیں ہوئے جو معنے کہ اسوقت انکے سمجھے جاتے تھے جب ان کا اعلان ہوا تھا

اور گو وہ بیان کرتے ہیں کہ اسوقت بھی ہمارا یہ مطلب تھا جو لوگ سمجھے ہیں مگر وہ اسبات کا خیال نہیں کرتے کہ لوگ تو وہی معنے سمجھ سکتے ہیں جو الفاظ سے ظاہر ہوں تاویلات بعیدہ لوگوں کے ذہن میں کیونکر آسکتی ہیں اور ایسے خطرناک موقعہ پر جب جنگ ہو رہی تھی۔ اگر کوئی ان کے الفاظ پر یہ اعتراض کر بھی بیٹھتا کہ انکے اور معنی بھی ہوسکتے ہیں تو خود یہی وزراء اس شخص کے اس فعل کو ناپسند کرتے اور فساد پھیلانیوالا قرار دیتے پس اگر انہوں نے باوجود علم و فضل کے ایسے الفاظ استعمال کئے تھے جن کو عام طور پر اور ہی معنے سمجھے گئے۔ اور پھر انہوں نے ان معنوں کی دوسرے اوقات میں بھی تردید نہیں کی تو اس غلطی کے ذمہ وار یہی وزراء ہوسکتے تھے نہ کہ دوسرے لوگ۔ اور ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ اپنے ملک کی عزت کی حفاظت اور اس کے نیک نام کے قائم رکھنے کیلئے ایسا فیصلہ کرتے جو لوگوں کے دل سے ان کا اعتبار نہ نکال دیتا۔ اور اس احترام کو صدمہ نہ پہنچاتا جو اس ملک کو جس کی خدمت کا بوجھ ان پر رکھا گیا تھا اس سے پہلے حاصل تھا۔

اتحادیوں کے فیصلہ کی اصلاح کیلئے کیا کرنا چاہیئے

مگر اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے فیصلہ کی اصلاح کے لیئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ میں اس سوال پر اس سے پہلے اپنے مضمون "معاہدہ ترکیہ" میں کافی بحث کرچکا ہوں۔ مگر چونکہ اب سوال نے ایک نیا رنگ اختیار کرلیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھے علم دیا ہے۔ اس کے مطابق میں اپنے بھائیوں کی رہنمائی کروں تا وہ لوگ جو ناواقف ہیں واقف ہو جائیں اور تا ایسا نہ ہو کہ غلطی سے لوگ ایسا راستہ اختیار کرلیں۔ جو ان کی ہلاکت کا موجب ہو ؛

کیا اب صبر کر کے بیٹھ رہنا چاہیئے

بعض لوگوں کا تو خیال ہے کہ یہ امر اب طے ہوچکا ہے اس لیئے ہمیں صبر سے تسلیم کرلینا چاہیئے۔ میرے نزدیک لوگ صبر کے صحیح معنوں کو نہیں سمجھے صبر اسے نہیں کہتے کہ جو واقعہ ہو جائے اسکی اصلاح کی فکر نہ کیجاوے۔ بلکہ بعض دفعہ ایسے امر کی جو ہوچکا ہو اصلاح ضروری ہوتی ہے۔ اور اسکی اصلاح نہ کرنی یا اسکے لیئے کوشش نہ کرنا کم ہمتی پر دلالت کرتا ہے۔ ہر امر جو ہوچکا غیر مبدل نہیں ہوتا۔ غیر مبدل وہی کام ہوتا ہے جسکی اصلاح ناممکن ہو۔ مثلاً کسی نے کسی کو گالی دی ہے یا مارا ہے تو اس فعل کو لوٹایا نہیں جاسکتا ایسے فعل کو یاد رکھنے سے اگر نقصان ہوتا ہو یا بھلانے سے فائدہ ہوتا ہو تو اچھی بات یہی ہے کہ اسے بھلا دیا جائے اور اس کا تذکرہ ہی نہ کیا جائے لیکن مثلاً اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز چھین لی ہو جو ضائع نہیں ہو گئی بلکہ چھیننے والے کے پاس موجود ہے۔ اور اس شخص نے وہ چیز اسے ابھی نہیں دی تو جائز اور

صحیح ذرائع سے اس کے واپس لینے کی کوشش کرنا منع نہیں ہے اور معاہدہ ترکیہ کا مسئلہ اس دوسری قسم کے امور میں سے ہے۔ ترکوں سے جو ممالک لئے گئے ہیں وہ اب بھی موجود ہیں۔ اور آئندہ بھی موجود رہینگے۔ پس اس معاہدہ میں تغیر ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یہ کہدینا کہ صبر کرو اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جبتک صبر کرنے کے لئے کافی وجوہات نہ ہوں۔ اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس موقعہ پر صبر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہوگا ۞

ہجرت اور ترک موالات

دوسری رائے یہ دی جاتی ہے۔ کہ انگریزی علاقہ سے ہجرت کی جاوے یا ان سے ترک موالات کیا جائے

میں نے اپنے رسالہ معاہدہ ترکیہ میں بتایا تھا کہ یہ دونو رائیں درست نہیں ہجرت کے متعلق میں نے لکھا تھا۔ کہ اوّل تو شرعاً یہ موقع ہجرت کا ہے ہی نہیں۔ دوم اگر خلاف شریعت ہجرت کی بھی گئی۔ تو اس کے سامان چونکہ آپ لوگوں کے پاس نہیں ہیں۔ اس کا نقصان پہنچیگا۔ اور دشمنوں کو ہنسی کا موقع ملیگا۔ پھر افغانستان میں گنجائش بھی نہیں ہوگی۔ آخر یہی ہوا۔ افغانستان میں مہاجرین کی گنجائش نہ نکلی۔ ہزاروں واپس آئے۔ ہزاروں مرگئے۔ جو باقی ہیں۔ ان کی حالت بھی بری ہے اپنے گذارہ کے لئے یہاں سے روپیہ طلب کر رہے ہیں ۞

ترک موالات کے متعلق تفصیلی بحث

دوسری صورت ترک موالات کی بتائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق میں نے لکھا تھا۔ کہ یہ ناقابل عمل اور موجب فساد ہے مگر چونکہ اب اس مسئلہ نے بہت اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اس لئے دوبارہ میں اس کے متعلق تفصیلی طور پر اپنی تحقیق بیان کرنی چاہتا ہوں ۞

یاد رکھنا چاہئیے کہ دنیا میں دو قسم کے امور ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شریعت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو مصلحت وقت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جو امور کہ شریعت کے ماتحت ہوں۔ جب وہ حالات پائے جاویں جنہیں شریعت نے ان کے کرنیکا حکم دیا ہے۔ تو ان لوگوں کا جنہیں ان کے کرنیکا حکم دیا گیا ہے

فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ ان احکام کو پورا کریں۔ خواہ جان جاوے خواہ مال قربان ہو خواہ عزیز و اقارب ضائع ہوں۔ غرض صرف انہی عذرات سے اُن احکام کو چھوڑا جا سکتا ہے جنکو خود شریعت نے عذر قرار دیا ہے۔ اُن کے سوا اور عذرات پر خواہ وہ کس قدر ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ اُن احکام کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً جہاد کا حکم ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ جب جہاد کا حکم شریعت دیگی تو اندھے لنگڑے لولے۔ ایسے مریض جو چل پھر نہیں سکتے۔ یا بالکل بوڑھے۔ عورتیں۔ اور بچے۔ تو اس سے معذور رہو جاوینگے۔ مگر ایک شخص جس کا دس کروڑ کا مال ضائع ہو رہا ہو وہ بغیر اجازت امام کے معذور نہیں قرار پا سکتا۔ غرض جسمانی نقص کے سوا کوئی روک تسلیم نہیں کیجاوے گی لیکن وہ امور جو شریعت کے ماتحت نہیں ہوتے۔ بلکہ اُنکا کرنا نہ کرنا ہماری مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ ان کے کرنے وقت مصلحت وقت کا دیکھنا ضروری ہوتا ہے اگر انکے کرنے کی نسبت نہ کرنے میں فائدہ ہے۔ تو انکا نہ کرنا بہتر ہوگا۔ اور اگر نہ کرنے سے کرنے میں فائدہ ہے تو کرنا بہتر ہوگا ❊

شرعی حکم کی موجودگی میں یہ کہنا کہ اس کام کے کرنے میں بڑا نقصان ہوگا جہالت ہے۔ اور کمی ایمان کی علامت ہے۔ جب خدا کا حکم ہے تو خواہ کچھ ہو جائے اس کو کرنا چاہیئے۔ لیکن جہاں شرعی حکم کوئی نہ ہو وہاں نقصان کی زیادتی کو دیکھ کر بھی کسی کام کے کرنے پر اصرار کرنا نادانی ہے۔ کیونکہ جب شرعی حکم کوئی نہیں تو ہمارا فرض ہے۔ کہ اپنے اور اپنی قوم کے فوائد کو ملحوظ رکھیں ❊

ترک موالات کے مسئلہ میں پیچیدگیاں اور اُن کا حل

مَیں نے جہانتک سوچا ہے ترک موالات کے متعلق بحث کرتے وقت اِس مذکورہ بالا اصل کو اچھی طرح نہیں سمجھا گیا اس لئے اِس مسئلہ کے متعلق جسقدر بحثیں ہو رہی ہیں۔ وہ دن بدن زیادہ پیچیدہ ہوتی جاتی ہیں۔ کیونکہ کبھی تو اس کو دینی مسئلہ قرار دیا جاتا ہے۔ اور جب اس میں کوئی مشکل پیش آجاتی ہے۔ تو اسے ایک سیاسی اور ملکی سوال قرار دیدیا جاتا ہے۔ یا اس کے اُلٹ طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے

اس مسئلہ کا حل نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ اس مسئلہ کے دونو پہلوؤں پر الگ الگ نظر ڈالی جاتی۔ پہلے اس بات کو دیکھا جاتا۔ کہ کیا ترک موالات شرعی حکم ہے؟ اگر وہ شرعی حکم ثابت ہو جاتا تو پھر بلا نتیجہ کے خوف کے اس پر عمل شروع کر دیا جاتا۔ اور اگر شرعی حکم ثابت نہ ہوتا۔ تو پھر یہ سوچا جاتا۔ کہ آیا ترک موالات ہمارے لئے زیادہ مفید ہے۔ یا اس کے سوا اور کوئی راہ ہے۔ جس کے ذریعہ ہم اپنا مدعا حاصل کر سکتے ہیں؟ جبتک اس مسئلہ کے متعلق اس طریق کو اختیار نہ کیا جاویگا۔ یعنی اس کے شرعی اور سیاسی پہلوؤں پر الگ الگ نظر نہ ڈالی جاویگی کبھی صحیح نتیجہ نہ نکلیگا۔ اور ہمیشہ اس پر گفتگو کرنیوالے زیادہ سے زیادہ الجھنوں میں پڑتے چلے جاوینگے نہ مؤید اسکی صداقت کو ذہن نشین کرا سکینگے۔ نہ مخالف اس کی غلطی کو آشکار کر سکینگے۔ پس اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اس امر کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیئے۔ تاکہ خلط مبحث نہ ہو۔ اس مسئلہ کی مشروعیت پر الگ غور کیا جاوے۔ اور اس کی مصلحت پر علیحدہ۔ چونکہ اسوقت مسلمانوں کو عام طور پر یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ اسوقت حکومت ہند سے ترک موالات کرنا ایک شرعی فرض ہے اور عوام الناس میں اس کی مشروعیت کے خیال سے ہی جوش پیدا ہو رہا ہے۔ اسلئے اس مسئلہ پر کوئی تحریر اسوقت تک مکمل نہیں ہو سکتی اور نہ زیادہ فائدہ مند ہو سکتی ہے جبتک وہ اس مسئلہ کے شرعی پہلو پر کافی روشنی نہ ڈالے اور چونکہ مسلمانوں کے علاوہ دوسری اقوام اس مسئلہ کے شرعی پہلو سے اسقدر تعلق نہیں رکھتیں جس قدر کہ اس کے علمی پہلو سے۔ اس لئے کوئی تحریر اسوقت تک بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ جبتک کہ اس میں اس کے علمی پہلو پر بھی بحث نہ کیجاوے پس میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ترک موالات کے دونو پہلوؤں پر روشنی ڈالوں۔ لیکن علیحدہ علیحدہ تاکہ خلط مبحث نہ ہو۔ اور ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکے کہ شریعت اس معاملہ میں ہم سے کیا چاہتی ہے اور اگر شریعت ہم سے اس معاملہ میں کچھ مطالبہ نہیں کرتی تو مصلحتِ وقت کس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اوّل میں اس مسئلہ کے شرعی پہلو کو لیتا ہوں ؞

ترکِ موالات کے معنی اسی سوال کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے سوال کا سمجھ لینا ضروری

ہوتا ہے۔ اس لئے ترکِ موالات پر غور کرنے سے پہلے اس کے معنوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔
موالات کہتے ہیں دوستی کو یا کسی سے مدد لینے یا اسے مدد دینے کو۔ پس ترک موالات کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے دوستی نہ کی جائے۔ اور نہ اس سے مدد لیجائے نہ اسے مدد دیجائے۔ مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے فتویٰ میں یہی معنی لکھے ہیں۔ پس جب کہا جاتا ہے کہ انگریزی حکومت سے ترکِ موالات کیجائے۔ تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ انگریزی حکومت سے نہ تو تعلق محبت رکھا جائے۔ نہ ان سے کسی قسم کی مدد لیجائے اور نہ ان کو کسی قسم کی مدد دیجائے۔ مگر ترکِ موالات کے حامی اس لفظ کو اس کے پورے معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ وہ صرف اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ سردست انگریزوں کے کالجوں میں تعلیم حاصل نہیں کرنی چاہیئے۔ سوائے میڈیکل کالج وغیرہ علمی کالجوں کے۔ اسی طرح ان کی عدالتوں میں مقدمات نہیں لیجانے چاہیئیں وکیلوں کو ان کی عدالت میں وکالت نہیں کرنی چاہیئے ان کے دیئے ہوئے خطاب واپس کردینے چاہیئیں۔

ترکِ موالات کے حق میں دلائل

ترکِ موالات کے سوال پر شرعی نقطۂ خیال سے دو طرح بحث ہوسکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کیا اس وقت انگریزوں سے ترکِ موالات کرنا۔ ایک شرعی فرض ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کیا شریعت ترکِ موالات سے روکتی تو نہیں۔ اگر بحث اسی حد تک محدود رہتی۔ کہ شریعت نے ترکِ موالات کو منع نہیں کیا۔ تو چنداں فکر کی بات نہ تھی کیونکہ جس کام سے شریعت نہ روکتی ہو۔ نہ اس کا حکم دیتی ہو۔ ہر شخص کا اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اسے کرے چاہے نہ کرے۔ مگر اس وقت جو فتوے شائع ہو رہے ہیں۔ ان میں یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ شریعت اسلام کے مطابق اس وقت انگریزوں سے موالات کرنی حرام ہے۔ اور جو ان سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ گویا شریعت کا مجرم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مسلمان خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر ہم نے اس تحریک کو قبول نہ کیا۔ تو ہم اسلام سے خارج ہوجاوینگے۔ حالانکہ جیسا کہ میں ثابت کروں گا یہ بات نہیں ہے۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ انگریزوں

سے ترکِ موالات کرنی ضروری اور فرض ہے ۔

جو فتوے کہ اسوقت تک شائع ہو چکے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیات سے انگریزوں کے ساتھ ترکِ موالات کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے :-

(۱) یا ایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الیھود والنّصٰرٰی اولیاء بعضھم اولیاء بعض۔ ومن یتولھم منکم فانہ منھم ۔ (مائدہ ۔ ع ۸) یعنی اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار مت بناؤ ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں ۔ اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست اور مددگار بنائے وہ بھی ان ہی میں سے ہے (ترجمہ منقول از فتویٰ مولوی محمود الحسن صاحب)

(۲) لایتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیء (آل عمران ۔ ع ۳) مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست یا مددگار بنائیں اور جو ایسا کریگا اس کو اللہ سے کچھ سروکار نہیں (ترجمہ منقول از فتویٰ)

(۳) بشر المنافقین بان لھم عذابا الیما ہ الذین یتخذون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین ایبتغون عندھم العزۃ فانّ العزۃ للہ جمیعا (نساء ۔ ع ۲۰) ان منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو جو مومنین کے سوا کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں حالانکہ تمام تر عزت خدا کے لئے ہے (ترجمہ منقول از فتویٰ)

(۴) یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا (نساء ۔ ع ۲۱) اے ایمان والو مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح لو (ترجمہ منقول از فتویٰ)

(۵) یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین (مائدہ ع ۹)

اے ایمان والو تم ان اہل کتاب اور کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ جنہوں نے بنا لیا ہے
تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو (ترجمہ منقول از فتویٰ)

(۶) تریٰ کثیرا منہم یتولون الذین کفروا لبئس ما قدمت لہم انفسہم ان سخط اللہ
علیہم وفی العذاب ہم خالدون۔ ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ
ما اتخذوہم اولیاء ولکن کثیرا منہم فاسقون (مائدہ ع ۱۵) ان میں سے بہت سے
تم ایسے دیکھو گے جو رفیق بنتے ہیں کافروں کے بے شک برا ہے وہ جو آگے بھیجا ہے
انہوں نے خود اپنے لئے کہ اللہ کا غضب ہے ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں ہیں اور اگر یقین رکھتے
وہ اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی کی طرف اتارا گیا اس پر تو کافروں کو رفیق نہ بناتے لیکن ان میں
بہت سے نافرمان ہیں (ترجمہ منقول از فتویٰ)

(۷) لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ
ولو کانوا آباءہم او ابناءہم او اخوانہم او عشیرتہم اولئک کتب فی قلوبہم
الایمان وایدہم بروح منہ ویدخلہم جنت تجری من تحتہا الانہار خلدین
فیہا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون
(مجادلہ ع ۳) نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ
دوستی کرے ان سے جنہوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اگرچہ وہ انکے باپ یا بیٹے
یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ایسے ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا
ہے اور اپنی روح سے انکی مدد فرمائی اور ان کو داخل کریگا باغ بہشت میں جس کے نیچے بہتی ہیں
نہریں جس میں وہ ہمیشہ رہینگے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہ جماعت ہے اللہ کی یاد رکھو
کہ خدا کی جماعت ہی کامیاب ہوتی ہے (ترجمہ منقول از فتویٰ)

(۸) یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم
بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق (ممتحنہ ع ۱) اے ایمان والو نہ بناؤ میرے دشمن اور
[illegible]
[illegible]
اس سچائی سے جو تمہارے پاس آئی ہے (ترجمہ منقول از فتویٰ)

ان آیات سے استنباط کرکے یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ چونکہ انگریزوں نے مسلمانوں سے جنگ کی۔ اور پھر ان میں سے بعض کو پکڑ کر جلا وطن کر دیا۔ اور بعض علاقوں سے مسلمانوں کی حکومت کو اٹھا دیا جو وہ بھی اخراج کا حکم رکھتا ہے۔ اور مسلمانوں سے یہ لوگ عداوت رکھتے ہیں۔ اور ان کے دین کو حقیر خیال کرتے ہیں اس لئے ان سے ترک موالات کرنی ضروری ہے ؂

کون سے کافروں سے ترک موالات کرنی چاہیئے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور انکی مدد کرنی یا انسے مدد لینی جائز نہیں رکھی۔ مگر ساتھ ہی اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ ہر ایک کافر کی نسبت یہ حکم نہیں ہے کہ اس سے دوستی نہ کیجاوے یا یہ کہ اس کے ساتھ موالات نہ کیجائے۔ چنانچہ خود مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اپنے فتوے میں۔ اور مولوی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے اپنے لیکچر میں بیان کیا ہے کہ ہندوؤں سے موالات جائز ہے حالانکہ یہ دونو قومیں قرآن کریم کے رو سے کفار میں شامل ہیں پس جب ہندوؤں سے جو گو سیاسی طور پر انگریزوں سے ہمارے زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ہمارے اہل وطن ہیں۔ لیکن مذہبی طور پر مسیحیوں کی نسبت ہم سے دور ہیں۔ کیونکہ مسیحی ان اہل کتاب میں سے ہیں جن کا قرآن کریم نے نام لیکر ذکر کیا ہے۔ اور اہل ہنود اگر اہل کتاب میں سے ہیں۔ تو اس طبقہ میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے نام لیکر نہیں کیا۔ اسی طرح مسیحی بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مانتے ہیں۔ اور صرف ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ حالانکہ ہندو صاحبان بہت سے انبیاء کرام کی نبوت کے منکر ہیں۔ پس مذہبی نقطہ خیال سے مسیحی ہندوؤں کی نسبت ہمارے زیادہ قریب ہیں۔ اور جب کسی مسئلہ پر مذہبی طور پر غور کرنا ہو۔ تو مذہبی نقطہ خیال ہی کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ اندریں حالات اگر ہندوؤں یا سکھوں سے موالات ہو سکتی ہے۔ تو مسیحیوں سے بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہے ؂

کہا جاتا ہے۔ کہ گو ہندو مسیحیوں سے مذہباً زیادہ دور ہوں۔ لیکن ہنود میں وہ بات نہیں پائی جاتی جسکی وجہ سے ترک موالات فرض ہوتی ہے۔ پس قرآن کریم کے حکم کے مطابق انسے موالات کرنا منع نہیں ہے بلکہ اچھا ہے اور اسکی تائید میں سورۂ ممتحنہ کی آیت پیش کیجاتی ہے لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین (ممتحنہ ع ۲) یعنی اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے جو تم سے لڑے نہیں۔ اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا نیکی کرنے یا انصاف کا معاملہ کرنے سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو

پسند کرتا ہے" مگر ہم سوال کرتے ہیں۔ کہ یہی آیت انگریزوں سے بھی ترک موالات کرنے سے روکتی ہے اور انسے معاملات کا سلسلہ
جاری رکھنے کی ہدایت کرتی ہے۔ تو پھر انسے ترک موالات کرنیکا کیوں فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں فرمایا ہے کہ
صرف انہی لوگوں سے ترک موالات کیجا سکتی ہے جو مسلمانوں سے دین کے بارہ میں لڑتے ہوں یا جنہوں نے انکو انکے ملکوں سے نکال دیا ہو
یا دوسرے لوگوں کو انکو نکالنے میں مدد دی ہو جیسا کہ فرماتا ہے۔ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم
من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون (ممتحنہ ع ۲)
یعنی اللہ تعالیٰ تم کو صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جو تم سے دین کے متعلق لڑے ہوں یا انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے
نکال دیا ہو یا تمہارے نکالنے میں مدد دی ہو۔ اور جو کوئی ایسے لوگوں سے دوستی کرے وہ ظالموں میں سے ہے۔ اب ہر ایک
شخص دیکھ سکتا ہے۔ کہ نہ تو انگریز مذہب کی خاطر مسلمانوں سے لڑے ہیں۔ اور نہ انہوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا ہے۔ کہ وہ
یا تو اپنا دین چھوڑ دیں یا انکے ملک سے نکل جاویں۔ اور نہ انہوں نے اس کام میں دوسرے لوگوں کی مدد کی ہے۔

میں نے گھروں سے نکالنے کے متعلق بھی مذہب کی شرط لگائی ہے۔ اسلئے کہ میرے نزدیک یہ شرط ضروری ہے
کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ اگر کوئی حکومت کسی مسلمان کو کسی دنیاوی جرم کی سزا میں ملک بدر کردے۔ تو مسلمانوں
کو اس حکومت سے ترک موالات کا حکم ہو جاتا ہے اسی طرح ہو چکے ہیں جو کہ حضرت عثمانؓ کے دشمن آپکے خلاف لوگوں کو لڑائی کیلئے
ابھارتے تھے۔ انہوں نے بعض لوگوں کو ملک بدر کر دیا تھا اور انکے دشمن کہتے تھے کہ اس نے مسلمانوں کو انکے گھروں سے نکالا ہے۔ اسلئے اس کا مقابلہ جائز ہے

مگر ہمیں اس معاملہ میں قیاس کی بھی ضرورت نہیں۔ خود قرآن کریم نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ اخراج سے مراد وہی
وہ اخراج ہے جو اسلئے کیا گیا ہو کہ اس نے فلاں دین کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ اس اخراج کی تشریح جس کا اس آیت میں ذکر ہے اوپر گذر
چکی ہے ذکر ہے سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (حج ع ۶) یعنی اجازت دی گئی ہے جنگ کرنیکی ان
لوگوں کو جن سے جنگ کیجاتی ہے بسبب اسکے کہ ان پر ظلم کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور انکی مدد پر قادر ہے وہ لوگ جن کو انکے
گھروں سے اسلئے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے جبکہ وہ قوم مشرک تھی۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ سورۃ
ممتحنہ کی آیت میں واخرجوکم کی آیت سے یہی مراد ہے۔ کہ مذہبی فرض کے طور پر اسی قوم سے ترک موالات
فرض ہوتی ہے جنہوں نے کسی قوم کو کسی خاص مذہب کے قبول کرنیکی وجہ سے ملک بدر کر دیا ہو۔

غرض سورۃ ممتحنہ کی یہ آیت جسکو ہندوؤں کے ساتھ دوستی رکھنے کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے اس سے صرف
ہندوؤں ہی سے موالات رکھنے کی اجازت نہیں نکلتی بلکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ترک موالات صرف ان [illegible]

ان لوگوں سے کیجائی جاہیئے جو مسلمانوں سے اسلام لانیکے الزام میں لڑتے ہیں اور اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ کرتے ہوں یا ان کو اس لئے گھروں سے نکالتے ہوں۔ کہ وہ کیوں ایک خدا کی پرستش کرتے اور سچے دین کو قبول کرتے ہیں۔ یا اس فعل میں دوسروں کے مددگار ہوئے ہوں۔ اور چونکہ یہ تینوں باتیں انگریزوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اسلیئے ان سے ترکِ موالات درست نہیں۔

کیا ترکوں سے مذہبی جنگ کی گئی؟

کہا جاتا ہے کہ ترکوں سے جنگ ایک مذہبی جنگ تھی لیکن یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ جنگ اصل میں ترکوں سے نہ تھی بلکہ اصل جنگ جرمن سے تھی۔ ترک تو بعد میں جاکر شامل ہوئے ہیں اور جرمن مسیحی مذہب کے ہیں۔ اسیطرح ان کے حلیف آسٹریا والے بھی۔ پس یہ جنگ خالص دنیاوی تھی۔ اور اسے مذہبی جنگ کی صورت میں نہیں کہا جاسکتا۔ نہ ابتداء کے لحاظ سے نہ انجام کے لحاظ سے۔ مذہبی جنگ تو اسے کہتے ہیں جس جنگ کی غرض یہ ہو کہ کسی مذہب کے ماننے والوں سے اُس مذہب سے توبہ کرائی جائے اور اسوقت تک اس جنگ کو بند نہ کیا جاوے جبتک مخالف اپنے مذہب سے توبہ نہ کرلیں جیسا کہ قرآن کریم کفار کی جنگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ لَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا یعنے کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہینگے تاکہ تم کو اپنے دین سے مرتد کردیں اگر انکی طاقت ہو۔ یعنے گو تمہارا مرتد کردینا تو انکی طاقت سے باہر ہے مگر کفار کی غرض تم سے لڑنے سے یہی ہے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو مرتد کردیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ گو کفار اپنے ارادہ میں تو خدا کے فضل سے ناکام رہے اور مسلمانوں پر فتح نہ پاسکے۔ مگر اکّا دکّا آدمی جو ان کے قبضہ میں آگیا ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے اس کو مرتد کرنیکی پوری کوشش کی ہے۔ بلال رضؓ ابوجندل رضؓ اور یاسر رضؓ کی مثالیں اس امر پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالتی ہیں لیکن انگریزوں کے خلاف انمیں سے ایک بات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ وہ مذہب اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو دنیاوی اغراض کیلئے کرتے

ہیں ہم لوگ مدت دراز سے ان کے زیر حکومت بسر کر رہے ہیں کیا کوئی شخص ثابت کر سکتا ہے کہ ایک شخص کو بھی انہوں نے جبراً مسیحی بنایا ہو؟ اور کیا عراق اور شام کے لوگوں کو انہوں نے جبراً مسیحی بنانے کی کوشش کی ہے پھر کیا انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یا عراق یا شام کے مسلمانوں کو مجبور کیا ہے؟ کہ یا مسیحی ہو جاؤ یا ان علاقوں سے نکل جاؤ؟ ہم تو خود انکے اپنے ممالک میں جا کر تبلیغ اسلام کرتے ہیں اور انہیں سے بعض سعید روحیں اسلام کو قبول بھی کرتی ہیں لیکن کبھی وہ اس امر سے ہمیں نہیں روکتے کہ کیوں مسیحیوں کو ہم مسلمان بناتے ہیں کجا یہ کہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا دیں؟ پھر جب یا کوئی شرط بھی مسیحیوں میں ایسی نہیں پائی جاتی کہ جسکی وجہ مسلمان سے ترک موالات فرض ہو تو پھر ہندوؤں سے موالات اور انگریزوں سے ترک موالات کرنے کا فتویٰ دینے کا باعث کیا ہے؟ ان آیات سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھی اور سکھوں سے بھی اور انگریزوں سے بھی موالات کرنی چاہیئے۔ اور ہمدردی سے اور انصاف سے پیش آنا چاہیئے اور صرف ان لوگوں سے موالات ترک کرنی چاہیئے جو یا تو اسلام سے پھیرنے کے لئے جنگ کریں یا اسلام سے نہ پھیرنے والے کو ملک سے نکال دیں یا اس کام میں دوسروں کی مدد کریں +

مذہبی دست اندازی کیا ہے

شاید بعض لوگ کہیں کہ انگریزوں نے بعض ایسے لوگوں کو جلا وطن کیا ہے جو مثلاً خلافت کی تائید کرتے تھے اور ایسے ہی کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذہبی دست اندازی سے صرف خالص مذہبی مسایل میں دخل اندازی مراد ہے نہ کہ ان مسایل میں جن کے نتیجہ میں سیاست بھی شامل ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میرا یہ مذہب ہے کہ فلاں قوم کو قتل کر دینا چاہیئے تو اس کے اس خیال کو مذہبی سوال نہیں سمجھا جاویگا۔ بلکہ چونکہ قتل ایک ایسا فعل ہے جسکا دوسرے شخص سے بھی تعلق ہے۔ اسلئے اس شخص کو اجازت نہ دیجاویگی۔ کہ اس کو قتل کرے۔ اور اگر وہ دوسرا شخص حاکم ہے تو اس کا اختیار ہوگا کہ ایسے شخص کو گرفتار کرے اور اس کے اس فعل کو کوئی شخص مذہبی

دست اندازی نہیں کہہ سکتا۔ مذہبی دست اندازی صرف ایسے ہی افعال میں تصرف کرنے کو کہہ سکتے ہیں۔ جو صرف اس شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہوں جس نے وہ فعل کرنا ہے اور حکومت کا اس کے اندر دخل نہ ہو یعنی اس فعل کی سزا یا جزا کو خدا تعالیٰ نے حکومت کے ذمہ نہ رکھا ہو۔ اسی وجہ سے گو مدت ہائے دراز سے ہندوستان میں انگریز زانی کو رجم نہیں کرتے چور کے ہاتھ نہیں کاٹتے مگر مسلمان اسکے خلاف کبھی شور نہیں مچاتے کہ یہ مذہبی دست اندازی ہے اور نہ کبھی انہوں نے اس کے خلاف ترک موالات کی تحریک کی۔ کیونکہ یہ کام انسان کی اپنی ذات سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی شخص کے مذہبی خیالات کے مطابق دوسروں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ پس جب انگریزوں کے نزدیک خلافت کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی کیونکہ وہ مسلم ہی نہیں ہیں اور خصوصاً جبکہ انہوں نے اپنی خلافت سے بھی دنیاوی شان و شوکت علٰحدہ کر لی ہے تو انسے یہ امید رکھنا کہ اگر ہم لوگ خلافت کے لئے جدوجہد کریں جسکے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہونگے کہ ہم ان کے زیر اقتدار ممالک میں سے جنپر انہوں نے جائز طور پر یا ناجائز طور پر قبضہ کر لیا تہا۔ نکالدیں تو وہ خاموش رہیں۔ کسطرح درست ہو سکتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم کوئی ایسا فعل کریں جو ان کے دنیاوی مفاد کے لئے مضر ہو تو وہ صرف اس لئے کہ وہ ہمارا مذہبی مسئلہ ہے خاموش بیٹھے رہیں اسطرح تو ان کی کیا کوئی حکومت بھی نہیں چلسکتی پس بعض مسلمانوں کو جو جلاوطن کیا گیا تہا تو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ لوگ اسلام پر کیوں ایمان لائے تھے بلکہ یہ وجہ تھی کہ ان لوگوں کے افعال گورنمنٹ برطانیہ کے نزدیک اسکے سیاسی فوائد کے لئے مضر تھے ورنہ کیا وجہ ہے کہ اور کروڑوں مسلمان اسکی حکومت کے نیچے بستے ہیں وہ انکو جلاوطن نہیں کرتی یا قید نہیں کرتی

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہی آیت جس سے ترک موالات کے حامی انگریزوں سے ترک موالات کا فتویٰ اور ہندوؤں سے موالات کا حکم نکالتے ہیں ان کے دعوے کو غلط ثابت کرتی ہے اور دوسری آیات اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں۔

اس جنگ میں لڑنے والے کون تھے اور اس وقت مفتی کیوں خاموش رہے؟

علاوہ ازیں یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ جس جنگ کا انگریزوں پر الزام لگایا جاتا ہے اسمیں لڑنیوالے کون تھے؟ خود ہندو اور سکھ اور مسلمان ہی تھے جنہوں نے جاکر ترکوں کو مارا۔ اگر یہ جنگ فی الواقع مذہبی جنگ تھی تو مسلمان ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے کسطرح گئے اور ہندوستان کے ہزاروں مولوی اس وقت کہاں گئے ہوئے تھے؟ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بعض کو گورنمنٹ نے خاموش رکھنے کے لئے قید کر دیا تھا تو بھی باقی ہزاروں علماء تھے انمیں سے کوئی کیوں نہ بولا؟ یہ عجیب ڈھول ہوا کہ خود اپنے ہاتھوں سے ملک فتح کیا اور پانچ سال کے عرصہ میں کسی کو خیال نہ آیا۔ کہ انگریز تو مذہبی جنگ کر رہے ہیں ان سے تو علیحدہ رہنے کا ہمیں حکم ہے بلکہ ان سے تو بات کرنی بھی جائز نہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ کیا اس وقت جنگ کر کے اب ترکوں کی حمایت کرنا اور ان کے خلاف جنگ کو مذہبی جنگ قرار دینا کہیں مسلمانوں کو اس فتویٰ کے نیچے تو نہیں لے آتا ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ رکوع ۱۰) یعنے اللہ تعالیٰ یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ پھر تم وہ لوگ ہو کہ اپنی جانوں کو قتل کرتے ہو (یعنے اپنے ہم مذہبوں کو) اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور انکے خلاف گناہ اور زیادتی کے معاملات میں لوگوں کی مدد کرتے ہو۔ اور اگر تمہارے پاس وہ قید ہو کر آجاویں۔ تو پھر تم انکو فدیہ دیکر آزاد کرانا چاہتے ہو۔ حالانکہ ان کا نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟

اب میں کافی طور پر ثابت کر چکا ہوں کہ وہ آیت جسے ترک موالات کے مفتیوں نے ہنود سے دوستانہ تعلق رکھنے کے جواز میں پیش کیا ہے اسی سے انگریزوں سے موالات کرنا جائز ثابت ہوتا ہے پس مفتی صاحبان نے فتویٰ دینے میں غلطی کی ہے اور

قرآن کریم کے صریح الفاظ کی موجودگی میں اصول اسلام کے خلاف فتوئی دیدیا ہے اور ایسا فتوئی مسلمانوں کے لئے قابل عمل نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ناجائز ہے *

آیات پیش کردہ پر تفصیلی نظر

تمام آیات پیش کردہ پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد میں تفصیلی طور پر ان آیات کے مضمون پر نظر ڈالنی چاہتا ہوں تاکہ حقیقت کے طالبوں کو یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ آیتیں اپنی ذات میں بھی اس دعوئی کی تصدیق نہیں کرتیں جو بعض علماء کے فتوٰے میں پیش کیا گیا ہے *

ان آیات کی تین اقسام

آٹھ آیات ہیں جو ترک موالات کی تائید میں پیش کی گئی ہیں میرے نزدیک یہ تین اقسام میں تقسیم ہیں اور تینوں کے متعلق ہمیں الگ الگ غور کرنا چاہیئے مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے فتوٰے میں خود تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ تولّی کا استعمال ہوا ہے اس کے معنے وہ دوستی اور مدد کے کرتے ہیں پس دیکھنا چاہیئے کہ آیا یہ دونو معنے تمام آیات میں چسپاں ہوتے ہیں یا مختلف آیات میں مختلف معنے چسپاں ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات ایک لفظ جو کئی معنے رکھتا ہو کسی فقرہ میں ایک معنے میں استعمال ہوتا ہے اور کسی میں دوسرے معنے میں اور کسی میں دونو معنوں میں پس صرف لغت دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ ان آیات پر بھی غور کرنا ہوگا۔ کہ ان میں یہ لفظ اپنے متعدد معنوں میں سے کس معنے میں استعمال ہوا ہے یا یہ کہ سارے ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے میرے نزدیک ان آیات میں یہ لفظ دو مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے بعض میں تو دوستی اور امداد دونو معنوں میں استعمال ہوا ہے اور بعض میں صرف دوستی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے امداد کے معنی ان آیات میں مدنظر نہیں ہیں جو آٹھ آیتیں پیش کیجاتی ہیں ان میں سے پانچ میں تو دوستی اور امداد کے معنے ہیں اور دو میں دوستی کے۔ ایک آیت بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے جس کا میں سب سے آخر میں ذکر کرونگا *

آیات قسم اوّل

سب سے پہلے میں ان آیات کو لیتا ہوں۔ جن میں دوستی اور

امداد کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور بتاتا ہوں کہ انکا اطلاق ہرگز اس زمانہ کے
حالات پر نہیں ہو سکتا اور انگریزوں کے خلاف انکے احکام کی بنا پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

پہلی آیت

اس قسم کی آیات میں سے پہلی آیت یہ ہے۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ
الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ
اللَّهِ فِي شَيْءٍ (آل عمران ع ۳) یہ آیت مفتیوں نے پوری نہیں لکھی۔ اسکے ساتھ کا حصہ
جو اسکے معنوں پر روشنی ڈالتا ہے یہ ہے۔ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ
نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۔ جو حصہ ترک موالات کے حامیوں نے لکھا ہے اسکا ترجمہ خود
انہی کے الفاظ میں یہ ہے "مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست
مددگار بنائیں اور جو ایسا کریگا اسکو اللہ سے کچھ تعلق نہیں" اس آیت میں کہیں بھی ذکر
نہیں کہ مسیحیوں یا یہودیوں سے ایسا سلوک نہ کرو بلکہ بلا شرط حکم ہے کہ جو بھی کافر ہو
اس سے دوستی نہ رکھو۔ پس اس آیت سے فتویٰ نکالنا کہ انگریزوں ہی سے ترک موالات
کیجاوے درست نہیں۔ بلکہ اس آیت کے ماتحت تو سب ان لوگوں سے جو اسلام کا
دعویٰ نہیں کرتے ترک موالات کرنی پڑیگی +

ایک ضمنی سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جاوے کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے معلوم
ہوتا ہے کہ ہر ایک کافر سے ترک موالات کا حکم نہیں۔ بلکہ
خاص کفار سے ہے۔ ان آیات کو اس آیت سے ملا کر ہم ایسا
فتوے دیتے ہیں تو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انگریزوں کے متعلق فیصلہ دیتے وقت بھی ہمیں
انہی آیات کو مدنظر رکھنا پڑیگا۔ یہ درست نہ ہوگا کہ دوسرے لوگوں کے متعلق فیصلہ کرتے
وقت تو ان آیات کو مدنظر رکھا جاوے اور انگریزوں کے متعلق فتویٰ دیتے وقت ان کو
مدنظر نہ رکھا جاوے۔ اور میں پہلے بتا آیا ہوں کہ جو شرائط دوسری آیات میں ترک
موالات کے لئے بتائی گئی ہیں وہ جسطرح اسوقت کے ہندوؤں میں نہیں پائی جاتیں۔
اسی طرح انگریزوں میں بھی نہیں پائی جاتیں +

یہ حکم حربی کفار کے متعلق ہے

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ خود اس آیت کے سیاق و

سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ان حربی کفار کے متعلق ہے جن سے دین اسلام کے متعلق جنگ ہو رہی ہو۔ چنانچہ اس سے چند آیات پہلے اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کا ذکر فرمایا ہے۔ اور جنگ بدر کے ساتھ ہی بلکہ اس سے بھی کچھ عرصہ پہلے سے کفار کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اور اسی طرح جنگ بدر کے بعد یہود کے بعض سرداروں سے بھی فساد پیدا ہو گیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ اس آیت میں انہی لوگوں سے جو برسر جنگ ہوں تعلق رکھنے سے منع فرماتا ہے اور ان سے دوستی رکھنے یا انکو خواہ مسلمانان کے خلاف مدد دینے یا ان سے مدد لینے سے منع فرماتا ہے بلکہ خود اس آیت میں بھی یہی مضمون ہے کیونکہ اسی آیت کے اس حصہ میں جسے مفتی صاحبان نے فتویٰ میں درج نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (آل عمران ع ۳) یعنی کفار سے دوستی نہ کرو سوائے اس کے کہ بچاؤ ان سے اچھی طرح اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کے وہ معنے جو عام طور پر کیے جاتے ہیں

اس آیت کے عام طور پر یہ معنے کیے جاتے ہیں کہ جس وقت جنگ میں یا جب کفار غالب ہوں کسی سے جبراً کوئی کلمہ کفر کا کہلوایا جاوے تو وہ ایسا کلمہ کہہ دے اسکو اجازت ہے۔ چنانچہ سعید بن الجبیر کا قول ہے لیس فی الامان التقیۃ انما التقیۃ فی الحرب یعنی تقیہ امان میں نہیں ہوتا بلکہ لڑائی میں ہوتا ہے اسی طرح ابن عباسؓ کا قول ہے کہ تقیہ مخافت الناس کے وقت ہوتا ہے اسی طرح دیگر مفسرین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ آیت جنگ کے ایام پر دلالت کرتا ہے جب مسلمانوں کو جبراً اسلام سے نکالا جاتا ہو۔ اور زبردستی پکڑ کر ان سے اسلام سے بیزاری کا اعلان کروایا جاتا ہو۔ اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایسے کفار سے تعلقات رکھنا گویا خود اسلام کے چھوڑنے کی خواہش کرنا ہے مگر کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ انگریز جبراً پکڑ پکڑ کر لوگوں کو اسلام سے توبہ کرا کے مسیحی بناتے ہیں اگر نہیں تو اس آیت سے ان کے خلاف عدم تعاون کا فتویٰ نکالنا کسطرح درست ہو سکتا ہے؟ اس آیت کا وہ حصہ جسے مفتیوں نے غلطی سے چھوڑ دیا ہے صاف بتا رہا ہے کہ ترک موالات انہی

کافروں سے ہونی چاہیئے جو جبرًا اسلام سے پھرانے ہوں اور کفر کا انکار کرانے ہوں۔

تقیہ کے متعلق سلف و خلف کا فتویٰ

گو یہ بات اس مضمون سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن چونکہ یہ آیت مضمون میں آگئی ہے اور مجھے ایک ایسے معنے اس آیت کے لکھنے پڑے ہیں جو عام طور پر اسوقت کے مسلمانوں میں رائج ہیں۔ اس لیے میں اسقدر ضرور کہدینا چاہتا ہوں کہ میں اس آیت کے ان معنوں کا قائل نہیں بلکہ میرا مذہب امام احمدؒ بن حنبل کیطرح یہ ہے کہ اذا اجاب العالم تقیة والجاهل بجهل فمتی یتبین الحق والذی نقل الینا خلفًا عن سلف ان الصحابة وتابعیهم وتابعی تابعیهم بذلوا انفسهم فی ذات اللّٰه وانهم لا تاخذهم فی اللّٰه لومة لائم ولا سطوة جبار ظالم یعنے جب واقف آدمی لوگوں سے ڈر کر کوئی غلط بات کہدے۔ اور جاہل کو معلوم ہی نہ ہو تو حق پھر کب ظاہر ہوگا۔ اور جو کچھ بھی ہمیں پچھلے بزرگوں سے ابتدائی زمانہ کے بزرگوں کے متعلق روایت پہنچی ہے۔ وہ تو یہی ہے کہ صحابہؓ اور تابعی اور ان کے تابعی خدا کے واسطے اپنی جانیں قربان کردیتے تھے۔ اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے اور نہ ظالم اور جابر کے حملہ اور اسکی گرفت سے ڈرتے تھے"۔ اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ نہ صرف حضرت احمدؒ بن حنبل اپنے خیال کو ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس زبردست تاریخی شہادت کی بنا پر جو ان کے علم حدیث کے امام ہونے کے لحاظ سے ان کے زیر نظر تھی۔ صحابہؓ کو بھی اپنا ہمخیال بتاتے ہیں اور واقعہ یہی ہے کہ ایک دو صحابیوںؓ سے جو اقوال بیان کیئے جاتے ہیں۔ انہیں سے بعض کا تو مطلب ہی نہیں سمجھا گیا اور بعض کی روایت نہایت کمزور ہے۔

اس آیت کے اصل معنی

اس آیت کے اصل معنے یہی ہیں کہ خدا تعالےٰ تم کو حربی کفار سے دوستی رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اسکے مقابل میں یہ فرماتا ہے کہ تم ان سے ہر طرح بچتے رہو اور ان کے مقابلہ کا سامان تیار کرو۔ اِتَّقٰی کے معنے حفاظت کا سامان جمع کرنے کے بھی ہیں اور اگلا حصہ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ انہی معنوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ

اگر آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے لوگو تم کفار سے دوستی نہ کرو۔ ہاں زبردستی کریں تو ان کے ضرر کے ڈر سے الٰہی کی سی بات کہدو۔ اور اللہ تعالےٰ نے تم کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے" تو اس کا ایک حصہ دوسرے کا مخالف ہو جاتا ہے۔ جب دین کے معاملہ میں بھی ہندوؤں سے ڈرنے کا وہ حکم دیتا ہے۔ تو پھر اپنے ڈر پر زور دینے کا کیا مطلب ہوا؟ پس اصل مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ مومنوں سے فرماتا ہے کہ اے مومنو! حربی کفار سے دوستی نہ کرو بلکہ اس کے مقابلہ میں انکے شر سے بچنے کے لئے سامان حفاظت جمع کرو اور ان سے نہ ڈرو بلکہ اللہ سے ڈرو کیونکہ ڈرنے کے قابل اسی کی ذات ہے اور اگر ایسا نہ کروگے تو آخر ایک دن اسی کے حضور پیش ہونا ہے اپنے کئے کی سزا پاؤگے۔ سورہ نحل کی اس آیت کی موجودگی میں جسمیں جبر کے ماتحت کلمہ کفر کہنے والے کو بھی گنہگار قرار دیا ہے اور خدا کے راستہ میں ہجرت کرنے اور اس کے دین کے لئے تکالیف اٹھانے کے بعد اس کے معاف کرنے کی امید دلائی ہے۔ ان معنوں کے سوا کوئی اور معنے اس آیت کے کئے ہی نہیں جا سکتے +

اس ضمنی سوال کا جواب دینے کے بعد میں پھر اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں +

دوسری آیت ترک موالات کی تائید میں دوسری آیت جسمیں کفار کی دوستی اور موالات سے روکا گیا ہے۔ یہ پیش کی جاتی ہے۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۔ اسکا ترجمہ مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے فتویٰ میں یوں کیا ہے۔ "ان منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام تر عزت خدا کے لئے ہے"۔ اس ترجمہ کے الفاظ پر غور کرو۔ یہاں کہاں لکھا ہے۔ کہ نصاریٰ کو دوست نہ

بناؤ۔ یا ان سے ترک موالات کردو۔ یہاں تو تمام کفار کے متعلق بیان کیا گیا ہے
کہ ان کو دوست نہ بناؤ۔ اور پھر کوئی شرط نہیں بتائی۔ کہ کس کو دوست بناؤ۔ اور
کس کو نہ بناؤ۔ اس کے جواب میں یہی کہا جائیگا۔ کہ بیشک اسجگہ سب کفار سے
قطع تعلق کا حکم ہے۔ اور کوئی شرط نہیں کہ فلاں کو دوست بناؤ۔ اور فلاں
کو نہ بناؤ۔ لیکن سورہ ممتحنہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوست بنانے اور
نہ بنانے کے لیئے شرائط ہیں۔ انکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر میں پوچھتا
ہوں کہ کیا ان شرائط کو ہنود کے لئے ہی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مسیحیوں
کے لیئے نظر انداز کیا جا سکتا ہے جنکی نسبت اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے
کہ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً (مائدہ ۱ع) یعنے محبت میں وہ دوسری قوموں کی نسبت
مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب ہیں جب وہ شرائط جنکے پائے جانے کی
وجہ سے ہنود قابل موالات سمجھے گئے ہیں مسیحیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ تو
ان سے ترک موالات کرنا شرعی فتوے کے ماتحت کیونکر درست اور
جائز ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں بھی حربی کافروں سے تولّی منع کی گئی ہے

پھر میں اس آیت کی نسبت بھی وہی کہتا ہوں۔ جو پہلی
آیت کی نسبت کہہ چکا ہوں۔ کہ اس آیت کا مضمون بھی
صاف بتا رہا ہے کہ جن لوگوں سے تولّی منع کی گئی
ہے وہ حربی کافر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں حکم دیا گیا
ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی نہ کرو

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قوم اسوقت برسر پیکار تھی۔ اور اس سے تعلق
رکھنا خود اس حکومت اور اس جماعت کے خلاف تھا۔ جس کے وہ لوگ جنکو یہ حکم
دیا گیا ہے افراد تھے۔ پھر اس آیت سے اگلی آیات کو بھی دیکھا جاوے۔ تو ان
سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حکم اس قوم کے متعلق ہے جو ہم سے دین کے
متعلق جنگ کر رہی ہو۔ یا دین کی وجہ سے ہمیں اپنے گھروں سے نکالتی ہو۔ کیونکہ

آگے چلکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهٖ ۖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْكٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۙ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۔ (نسآء ع) یعنے "اور تحقیق تم پر کتاب میں یہ نازل ہو چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کیا جاتا ہے اور ان سے ہنسی کیجاتی ہے تو ایسا کرنے والے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھا کرو۔ یہانتک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں مشغول ہو جاویں ورنہ تم بھی انہی میں شامل سمجھے جاؤ گے۔ ضرور اللہ تعالیٰ ان منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کریگا۔ جو تمہاری ہلاکت کے منتظر ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری فتح کا سامان ہوتا ہے۔ تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر کفار کو کچھ حاصل ہوتا ہے تو یہ ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے۔ اور کیا ہم نے تم کو بچایا نہیں مومنوں سے؟ پس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کو فیصلہ کریگا۔ اور اللہ کبھی مسلمانوں پر کافروں کو غلبہ نہیں دیگا"۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت جو لکھی گئی۔ اسمیں ان منافقوں کو جو مدینہ میں رہتے تھے۔ اور اسلامی حکومت کے افراد تھے ان کافروں سے جو اسلام کے مٹانے کے لئے مسلمانوں سے برسر جنگ تھے۔ دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور انکی مدد کرنے اور انکو کمانے سے باز رکھا گیا ہے۔ نہ کہ تمام دنیا جہان کے کافروں سے۔ اور انگریز ہرگز اسلام کیوجہ سے مسلمانوں سے نہیں لڑے ہے۔ بلکہ جو لڑائی وہ کر چکے ہیں وہ بھی دنیاوی وجوہ پر تھی۔

تیسری آیت تیسری آیت جو ترک موالات کی تائید میں پیش کیجاتی ہے یہ ہے يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (نساء ع) اسکا ترجمہ ترک موالات کے فتوی میں یوں لکھا گیا ہے "اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح لو" اس آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح یہ نہیں بتایا گیا کہ کن کفار سے ترک موالات کرو اور کن سے نہیں۔ اور اسکی تشریح دوسری آیات ہی سے کرنی پڑیگی اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔ کہ ان آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزوں سے ترک موالات کا حکم کسی صورت میں نہیں نکلتا۔

چوتھی آیت

اب میں چوتھی آیت کو لیتا ہوں جو یہ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (ممتحنہ ع) یعنے اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رفیق مت بناؤ۔ پیغام بھیجتے ہو تم انکی طرف دوستی کا حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی سے جو تمہارے پاس آچکی ہے" (ترجمہ منقول از فتویٰ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور مخاطبوں کے دشمنوں کو دوست و مددگار بنانے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن یہ کہ دشمن سے کیا مراد ہے؟ اسکی تشریح نہیں فرمائی۔ دشمنی عقائد کے اختلاف کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس سے مراد وہ کینہ بھی ہو سکتا ہے جس کے اثر سے انسان اپنے مخالف کو بالکل تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے پس اس آیت میں "عدو" کے جو معنے ہیں وہ معلوم کرنے ہمارے لئے ضروری ہیں اور اس کے لئے ہمیں دور جانیکی ضرورت نہیں۔ اسی آیت کے اگلے حصہ میں اس دشمنی کی اللہ تعالیٰ نے خود تفصیل فرما دی ہے جو نہ معلوم کس وجہ سے فتویٰ نویسوں نے ترک کر دیا ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اور اس سے اگلی آیت یہ ہے اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ اور ان دونوں آیتوں

کا ترجمہ یہ ہے "اے مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انکو محبت کے پیغام بھیجتے ہو یا یہ کہ تم انکو خط لکھتے ہو۔ حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔ وہ لوگ رسول کو اور تم کو اس لئے جلا وطن کرتے ہیں۔ کہ تم اللہ پر جو تمہارا رب ہے ایمان کیوں لائے؟ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضا کے حاصل کرنے کے لئے نکلتے ہو۔ تو انکی طرف پوشیدہ طور پر محبت کے پیغام بھیجتے ہو یا یہ کہ پوشیدہ طور پر خط بھیجتے ہو (مودۃ خط کو بھی کہتے ہیں) حالانکہ میں خوب جانتا ہوں اسکو جو تم چھپاتے ہو۔ یا جسے ظاہر کرتے ہو۔ اور جو کوئی شخص تم میں سے ایسا کرے۔ وہ ضرور سیدھے راستے سے بہک گیا۔ اگر وہ کہیں تم کو پکڑ پاویں تو ضرور تمہارے دشمن ہوں۔ اور اپنے ہاتھ بھی تمہاری طرف بڑھا دیں اور اپنی زبانیں بھی دراز کریں اور خواہش کرتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ"۔

اگر فتوے شائع کرنیوالے اس آیت کو سارے کا سارا نقل کر دیتے۔ بلکہ اگلی آیت بھی ساتھ درج کر دیتے۔ تو شاید اس کے متعلق مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ کیونکہ اس آیت کا مضمون خود ہی شاہد ہے۔ کہ انگریزوں سے ترک موالات کے ساتھ اس آیت کا تعلق ہی نہیں ہے۔ اس آیت میں تو صاف طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ جو قوم تم سے جنگ کر رہی ہو۔ اور تم کو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے سبب سے تمہارے گھروں سے نکالتی ہو اور اگر تم اس کے قابو پڑ جاؤ تو تم کو واپس کفر میں لانے کیلئے زبان اور ہاتھوں سے ایذا دینے میں بھی اسے کوئی عار نہ ہو۔ تو ایسی قوم سے دوستی نہ کرو۔ اور دوستی کی تشریح بھی فرما دی کہ یہ نہ کرو کہ اسلامی لشکر کی خبریں اسے خفیہ طور پر پہنچاؤ۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ نہ یہ باتیں انگریزوں میں پائی جاتی ہیں اور نہ اس قسم کی دوستی انسے کوئی کرتا ہے۔ ہم تو خود ان کے زیر حکومت بستے ہیں۔ انکا اور ہمارے تعلقات اس قسم کے ہو ہی نہیں سکتے جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں اور جب یہ بات ہے۔ تو اس آیت سے ترک موالات کا جواز بلکہ حکم نکالنا کسطرح درست ہو گیا؟

یہ چار آیات ہیں جنہیں کفار کی تولّی سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے اور ان آیتوں میں واقعہ میں تولّی سے مراد دوستی اور مدد کا لینا اور مدد دینا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں ان چاروں آیتوں میں ان کفار سے تولّی یا ولایت منع کیگئی ہے۔ جو دین اسلام کے مٹانے کے لئے جنگ کر رہے ہوں اور مسلمانوں کو گھروں سے نکال رہے ہوں لیکن انگریز نہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ اور نہ دین سے پھرانے کے لئے انکو گھروں سے نکالتے ہیں۔ انکی حکومت میں مسلمان کھلے بندوں اسلام کی تائید میں وعظ اور تبلیغ کرتے ہیں اور خود مسیحیوں کو مسلمان بناتے ہیں مگر وہ کسی سے بازپرس نہیں کرتے ؛

آیات قسم دوم

اب میں ان تین آیتوں کو لیتا ہوں جنہیں امداد کا ذکر نہیں صرف محبت کرنیکا ذکر ہے ؛

پہلی آیت

اول آیت تو بالکل صاف ہی ہے۔ کیونکہ اسمیں لفظ ہی محبت کا ہے۔ یعنی لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ ۳ع) "نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کرے۔ ان سے جنہوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا۔ اور اپنی روح سے انکی مدد فرمائی اور ان کو داخل کریگا باغ بہشت میں۔ جسکے نیچے بہتی ہیں نہریں جنمیں وہ ہمیشہ رہینگے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہ جماعت ہے اللہ کی۔ یاد رکھو۔ کہ خدا کی جماعت ہی کامیاب ہوتی ہے ؛" (ترجمہ منقول از فتوے) ؛

جیسا کہ اس آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسمیں لینے دینے کا بلکہ

دوستی کا بھی کوئی ذکر نہیں بلکہ محبت کا ذکر ہے۔ اور حکم دیا گیا ہے۔ کہ جو شخص خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمن ہوں ان سے محبت نہ کیجائے۔ اور اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ جو شخص بھی ایسا ہو۔ کہ اسے ہم سے صرف مذہبی اختلاف ہی نہیں بلکہ وہ خدا اور رسول کو بھی برا بھلا کہتا ہو۔ اس سے ہمیں ہرگز محبت نہیں کرنی چاہیئے۔ خواہ ایسا شخص انگریز و نمیں سے ہو خواہ ہندوؤں میں سے ہو خواہ یہودیوں میں سے ہو خواہ خود مسلمانوں میں سے متعصب اور برا بھلا کہنے والے انسان سے محبت کسطرح ہو سکتی ہے؟ جو شخص اخلاق سے عاری ہے اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں پر غضب کا اظہار کرتا ہے اور عداوت سے کام لیتا ہے۔ وہ ہرگز محبت کے قابل نہیں۔ مگر اس آیت سے کسی قوم یا مذہب کے لوگوں سے ترک موالات کا مسئلہ نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اور اس آیت کے الفاظ جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس آیت کے مضمون اور ترک موالات کے مضمون میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

دوسری آیت

دوسری آیت جسمیں کفار سے محبت منع کی گئی ہے یہ ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (المائدۃ ع) یعنے اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی انسے دوستی کریگا وہ انہی میں شامل سمجھا جاویگا ؎

اس آیت میں صرف حربی یہود و نصاریٰ مراد ہیں

اس آیت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اسمیں کوئی شرط نہیں بیان فرمائی کہ فلاں قسم کے یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو اور فلاں سے کرو بلکہ بلا کسی شرط کے یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے لیکن یہ استدلال درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ترک موالات کے متعلق جو آیات پیش کیجاتی ہیں۔ انہیں سے تین میں کفار سے دوستی کرنے اور ان کے مددگار ہونے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے ہندوؤں سے دوستی کو ترک موالات کے حامیوں نے جائز قرار دیا ہے

اور اسکی دلیل میں وہ سورہ ممتحنہ کی آیت پیش کرتے ہیں اور ان آیات کے عام الفاظ کو اس آیت کے مضمون سے خاص کرتے ہیں اسیطرح اس آیت کو بھی حل کرنا چاہیئے۔ اور اسی آیت کے ساتھ ملا کر اس کے معنے کرنے چاہئیں۔ اور وہ معنے یہی ہونگے کہ وہ یہود و نصاریٰ جو تم سے لڑائی کرتے ہوں۔ یا لڑائی کرنے والوں کے شریک ہوں ان سے دوستی نہ کرو۔

اس آیت میں صرف دوستی کا ذکر ہے

مگر میرے نزدیک اس آیت میں مددگار بننے اور مدد لینے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اسی مضمون کی اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اسمیں صرف دوستی کرنیکا ذکر ہے۔ وہ اگلی آیت جسے ترک موالات کے حامیوں نے بھی پیش کیا ہے یہ ہے:۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (المائدہ ع ۹) یعنے اے ایمان والو تم ان اہل کتاب اور کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ جنہوں نے بنا لیا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اگر تم مومن ہو" (ترجمہ منقول از فتوٰی)

ترک تولّی کیلئے شرط

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تولّی کے ترک کرنے کے لیئے ایک شرط لگائی ہے یعنی ان اہل کتاب اور نصاریٰ سے تولّی نہ کرو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں لیکن یہود و نصاریٰ کے علاوہ باقی کافروں کو بھی اس حکم میں شامل کردیا ہے۔ پس پہلی آیت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ یہود و نصاریٰ سے خواہ کسی حالت میں ہوں تولّی نا جائز ہے بلکہ پچھلی آیت میں جو شرط لگائی ہے وہ لگانی ضروری ہوگی۔ ورنہ نعوذ باللہ من ذالک یہ کہنا پڑیگا کہ پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے مطلقاً دوستی نکرو۔ ان سے مدد لو اور نہ انکو دو۔ اور پھر اس آیت کے بعد فرماتا ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کو ہنسی یا کھیل بناویں ان سے ایسا تعلق پیدا نکرو غرض پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں یہ شرط ساتھ لگانی پڑیگی کہ ان یہود و نصاریٰ سے دوستی نکیجاوے جو اسلام کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور جب اذان دیجاتی ہے تو اس پر ہنستے ہیں اور اسے کھیل بنالیتے ہیں جیسا کہ ساتھ ہی فرمایا ہے

واذا نادیتم الی الصّلوٰۃ اتخذ وھا ھُزُوًا وّ لعباً۔ یعنی جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ لیکن صرف یہود و نصاریٰ کی نسبت ہی یہ فتویٰ نہیں ہوگا۔ بلکہ باقی تمام لوگوں کی نسبت بھی ہوگا خواہ ہندو ہوں خواہ سکھ۔ کیونکہ دوسری آیت میں صاف طور پر یہود و نصاریٰ کے ساتھ "کفروا" کا لفظ بڑھا کر یہود و نصاریٰ کے سوا جسقدر کافر ہیں ان کو بھی اسی فتویٰ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ پس جو حکم یہود اور نصاریٰ کی نسبت دیا جاویگا۔ وہی حکم "والکفار" کے لفظ کی وجہ سے دوسرے تمام مذہب کے پیروؤں کی نسبت بھی لگانا پڑیگا ؁

ان آیتوں میں صرف دوستی سے منع کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ان دونو آیتوں کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ان میں تولّی سے مراد صرف دوستی ہے۔ مدد لینے یا دینے کا ذکر نہیں۔ کیونکہ دین سے ہنسی یا اذان سے ہنسی کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے کہ حکومتوں کا اس سے تعلّق ہو۔ یہ بات افراد سے تعلّق رکھتی ہے۔ پس مراد یہی ہوگی کہ یہودیوں عیسائیوں یا دیگر مذاہب کے پیروؤں میں سے جو لوگ تمہارے دین پر ہنسی کریں تمسخر اڑائیں اور اذان سن کر اس کو ایک کھیل قرار دیں۔ ایسے لوگوں سے گہرے تعلق نہ رکھو۔ ورنہ تم بھی انہی لوگوں میں شامل سمجھے جاؤگے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے کہ جو شخص ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھتا ہے۔ جو اس کے دین کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اور اس سے ہنسی کرتے ہیں۔ اور اس کو برا نہیں مناتا وہ یا تو دل سے اس دین سے بیزار ہو چکا ہوتا ہے یا اسکے دل کے اندر تغیر پیدا ہونا شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد وہ انہی لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ جب ایمان ہوتا ہے۔ تو غیرت ساتھ ضرور ہوتی ہے۔ ایمان غیرت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس سے یا اس کے ماں باپ سے تمسخر کیا جاوے اور انکو کھیل بنایا جاوے۔ تو وہ اس امر کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ کہ دین کے متعلق تمسخر کرنیوالوں سے دوستی رکھے ؁

یہاں دوستی سے کیسی دوستی مراد ہے؟

یہاں دوستی سے کیسی دوستی مراد ہے؟ اس کی تشریح

ہیں قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے:۔ واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ واما ینسینّک الشیطان فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظّٰلمین (انعام ع ۸) یعنی اے قرآن کے پڑھنے والے جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں بیہودہ بکواس کرتے اور انکی تکذیب کرتے ہیں۔ تو ان سے علیحدہ ہو جا۔ یہانتک کہ وہ اور باتوں میں مشغول ہوں۔ اور اگر شیطان تجھے بھلا دے۔ تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ ؀

اسی طرح ایک اور آیت میں جس کے متعلق میں پہلے تفصیلی بیان کر چکا ہوں آتا ہے وقد نزّل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتّٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم۔ (نساء ع ۲۰) یعنی خدا تعالیٰ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل کر چھوڑا ہوا ہے۔ کہ جب تم سنو کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے۔ اور ان سے ہنسی کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ یہانتک کہ وہ اور باتوں میں لگ جاویں " یہ دو نوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں آیات اللہ سے ہنسی ہوتی ہو۔ وہاں نہیں بیٹھنا چاہیئے اور آیات جو اوپر بیان ہوئیں۔ ان میں بھی یہی ذکر ہے۔ کہ ان یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے دوستی نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہنسی کرتے ہیں۔ پس ان آیات کا یہی مطلب ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق نہ رکھو۔ اور ان سے زیادہ میل جول نہیں۔ اور کسی سیاسی مسئلہ کا یہاں ذکر نہیں۔ بلکہ اس دوستی کا ذکر ہے جو ایک شخص دوسرے سے کرتا ہے۔ اور اس تعلق کا بیان ہے۔ جو دو محبت کرنیوالوں کے درمیان ہوتا ہے۔ پس ان آیات سے ترک موالات کا فتویٰ نکالنا کسی طرح درست ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر کوئی فتویٰ نکلیگا۔ تو وہ اسی طرح جس طرح انگریزوں پر چسپاں ہوگا ہندوؤں پہ بھی چسپاں ہوگا۔ کیونکہ ان آیات میں تمام کفار کا ذکر ہے نہ صرف یہود و نصاریٰ کا ؀

اذان وغیرہ پر تمسخر اور استہزاء انگریز کرتے ہیں یا ہندو سکھ وغیرہ

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ گو مسیحی اسلام پر کس قدر ہی اعتراض کیوں نہ کرتے ہوں۔ مگر وہ ہمارے دین کی اور اذان کی تضحیک نہیں کرتے۔ بلکہ ان لوگوں میں جن کے ساتھ موالات جائز رکھی جاتی ہے۔ یعنی ہندوؤں اور سکھوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو تمسخر سے کام لیتے ہیں۔ اور اذان پر شور مچا دیتے ہیں۔ بلکہ فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں ؛

یہ حکم کسی قوم کے متعلق نہیں بلکہ افراد کے متعلق ہے

مگر جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں اس آیت کے الفاظ اور دوسری آیات کی تشریح سے ان آیات کے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ کہ اسجگہ کسی قوم کو بحیثیت مجموعی فتویٰ نہیں دیا گیا۔ جس طرح پہلی آیات میں دیا گیا تھا۔ کہ جو قوم تم سے دین کی خاطر جنگ کرتی ہو اس کے کسی شخص سے تعلق دوستی نہ رکھو۔ بلکہ اس میں افراد کے متعلق حکم ہے۔ کہ یہودیوں عیسائیوں یا دوسرے کافروں میں سے جو لوگ دین سے تمسخر کرنیوالے ہوں ان سے (نہ کہ ان کی ساری قوم سے) دوستانہ تعلقات نہ رکھو ورنہ تم بھی انہی میں شامل سمجھے جاؤ گے۔ اس حکم کے ماتحت گو انگریزوں سے ہماری صلح ہو۔ مگر جو انگریز بھی ہمارے دینی احکام پر ہنسے گا۔ اور دین پر بجائے سنجیدگی سے غور کرنے کے تمسخر اڑائیگا۔ ہم اس سے میل ملاپ نہ کرینگے۔ اور اس کی صحبت میں نہ بیٹھیں گے جبتک وہ سنجیدگی پیدا نہ کرے۔ اسی طرح ہندو سے گو ہماری صلح ہو۔ مگر ان میں سے اگر کوئی شخص ہمارے دین سے تمسخر کریگا تو ہم اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا بند کر دینگے جبتک وہ اپنی اس عادت سے باز نہ آجاوے۔ اور اگر کوئی ایسے شخص سے دوستانہ تعلقات رکھیگا۔ اور اس کی مجلس میں خوب شوق سے جاتا ہوگا تو ہم اس کی نسبت بھی یقین کرینگے کہ وہ اسلام سے بیزار ہے۔ اور اس شخص کا ہم خیال ہے ؛

ان ہر دو قسم کی آیات کے احکام میں فرق

غرض پہلی چار آیات میں جو احکام بیان کیئے گئے ہیں وہ اقوام کے متعلق ہیں۔ جن اقوام پر وہ احکام چسپاں ہوتے ہوں انکے کسی فرد سے بھی ہم تعلق نہیں رکھ سکتے جبتک وہ

انکو چھوڑ کر ہم سے نہ آملے۔ اور پانچویں آیت میں مدد لینے یا دینے کے متعلق کوئی ارشاد نہیں۔ صرف یہ حکم ہے۔ کہ جو لوگ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دشمن ہوں انسے قلبی محبت نہ رکھو۔ اور پچھلی دونوں آیتوں میں جو احکام بیان کیئے گئے ہیں وہ افراد کے متعلق ہیں جس شخص میں وہ عیب پایا جائیگا جو ان آیتوں میں بیان کیا گیا ہے اس سے ہم تعلق توڑ دینگے۔ باقی قوم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا ؁

اسلام نے تنگدلی نہیں سکھائی

اسجگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام نے تنگدلی نہیں سکھائی۔ اور ان آیات کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام پر بغرض تحقیق بھی اعتراض کرے تو ہم اس سے تعلق قطع کردیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص تمسخر کرے۔ اور حق جوئی اسکے مدِ نظر نہ ہو۔ بلکہ تحقیر اور ہنسی اور مذاق اڑانا مدِ نظر ہو اسکے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا موقوف کردیں۔ کیونکہ یہ فعل بے غیرتی پر دلالت کرتا ہے۔ اور بے غیرتی نہایت رذیلے اخلاق میں سے ہے ؁

آیت پیشکردہ (مائدہ ع ۸) اور سید رشید رضا کا ایک واقعہ

سید محمد رشید رضا صاحب ایڈیٹر المنار مصر جن سے ہندوستان کے اکثر لوگ واقف ہونگے کیوں کہ وہ ۱۹۱۲ء میں ندوۃ العلماء کے جلسے کے پریزیڈنٹ ہونے کے لیئے ہندوستان آئے تھے۔ اور ہندوستان کے مشہور مقامات کا ایک دورہ بھی انہوں نے کیا تھا۔ انہوں نے آیت یاایّھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود و النصارٰی اولیاء کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس کا اس جگہ لکھدینا خالی از فائدہ نہ ہوگا وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۳ء میں میں قسطنطنیہ گیا تھا۔ وہاں کی یونیورسٹی میں میں دینی تعلیم کی حالت دیکھنے گیا۔ ایک مدرس اس آیت کی تفسیر بیان کررہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ یہود اور نصارٰی سے بالکل تعلق نہیں رکھنا چاہیئے اور ان سے دوستی نہیں کرنی چاہیئے۔ جب وہ مدرس ترکی میں تقریر کرچکا۔ ایک طالب علم کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا۔ کہ پھر سلطنت عثمانیہ کیوں ان دونوں قوموں کو پارلیمنٹ کا ممبر بناتی ہے۔ اور وزارت تک کے عہدے دیتی ہے۔ اس پر مدرس ایسا گھبرایا

کہ اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا۔ کیونکہ اگر وہ کہتا۔ کہ یہ حکومت کی غلطی ہے۔ تو ڈرتھا۔ کہ مارا جاتا۔ اور بیضاوی کے لکھے ہوئے معنوں کے سوا اس کے دماغ میں اور کوئی معنی تھے ہی نہیں۔ اس پر میں نے اسے کہا۔ کہ کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ اس نے اجازت دی۔ اور میں نے اسے ولایۃ کے معنی بتائے۔ اور بتایا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ان قوموں سے کیسے تعلق تھے۔ پس ولایۃ سے مراد ان کفار کی مدد ہے۔ جو برسرپیکار تھے۔ ورنہ خود صحابہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں انکو بڑے بڑے عہدے دیئے ہیں۔ اور عباسیوں نے تو وزیر تک بنائے ہیں۔ اس پر سائل کی تسلی ہوگئی۔ اور مدرس صاحب کا خوف دُور ہوگیا ٭

گو سید رشید رضا صاحب کی نظر ان معنوں تک نہیں پہنچی۔ جو میں نے لکھے ہیں۔ مگر بہرحال یہ واقعہ جو انہوں نے بیان کیا ہے۔ ترکِ موالات کے حامیوں کے لئے ایک سبق ہے ٭

تیسری قسم کی آیت

آٹھویں آیت جو ترکِ موالات کے حامیوں نے پیش کی ہے یہ ہے:۔ تریٰ کثیرا منہم یتولون الذین کفروا لبئس ما قدمت لھم انفسھم ان سخط اللہ علیھم وفی العذاب ھم خٰلدون ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء ولکن کثیرا منھم فاسقون (مائدہ۔ ع ۱۱) ان میں سے بہت تم ایسے دیکھو گے۔ جو رفیق بنتے ہیں کافروں کے۔ بے شک بُرا ہے وہ جو آگے بھیجا ہے انہوں نے خود اپنے لئے کہ اللہ کا غضب ہے ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں ہیں۔ اور اگر یقین رکھتے وہ اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی کی طرف اُتارا گیا۔ تو کافروں کو رفیق نہ بناتے۔ لیکن انہیں بہت سے نافرمان ہیں ٭

یہ آیت یہود کے متعلق ہے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ رافتمان فتویٰ نے اس آیت کو قرآن کریم میں نکالکر نہیں پڑھا۔ بلکہ کلیدیا میں سے ہی دیکھکر اس کو درج کردیا ہے۔ یا کسی ناواقف حافظ سے تو فی کی آیات دریافت کرکے لکھدی ہیں۔ کیونکہ یہ آیت یہود کی نسبت ہے مسلمانوں کی نسبت نہیں۔ اللہ تعالیٰ

یہود کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ کہ یہود کفار سے دوستی کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہوتے۔ تو ایسا نہ کرتے۔ اس آیت سے پہلی آیات میں یہود کا ہی ذکر ہے چنانچہ اس آیت سے پہلی دو آیتیں یہ ہیں:۔ (۱) لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون ۝ (۲) کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون (مائدہ ع ۱۱)

یعنی بنی اسرائیل میں سے کافر لعنت کیئے گئے ہیں۔ داؤد کی زبان سے بھی اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے بھی۔ یہ ان کی نافرمانی اور ان کے حد سے نکل جانیکا نتیجہ تھا۔ یہ لوگ ان بدیوں سے جن کے مرتکب تھے باز نہیں آتے تھے ضرور بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔" اس سے آگے پھر وہ آیت ہے جسے مفتیوں نے لکھا ہے۔ پس اس آیت کے مخاطب تو یہود ہیں نہ کہ مسلمان ؛

ایک سوال اور اس کا جواب

شاید اس موقعہ پر یہ کہا جاوے۔ کہ اس میں جو کچھ یہ ارشاد ہے کہ اگر یہود خدا و رسولؐ پر ایمان لاتے تو ایسا نہ کرتے۔ اس لیئے اس سے استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ مسلمان کے لیئے کفار سے تولی جائز نہیں ؛

سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جیسا کہ میں ابھی ثابت کرونگا۔ یہود پر اس آیت میں محض کفار کی دوستی کا الزام نہیں لگایا گیا۔ بلکہ اصل اعتراض اور کیا گیا ہے پس باوجود اس فقرہ کے کہ اگر یہود مسلمان ہوتے۔ تو ایسا نہ کرتے۔ اس سے ترکِ موالات کی تائید میں استدلال کرنا درست نہیں ؛

اس آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے۔ کہ یہود میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مشرکوں سے دوستی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے اس خلاصہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی انسان سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس جگہ پر اللہ تعالےٰ کا یہ منشاء نہیں ہے۔ کہ یہود مشرکوں سے کیوں دوستی کرتے ہیں اگر یہ مسلمان ہوتے تو مشرکوں سے دوستی نہ کرتے۔ کیونکہ نہ تو یہود کا مشرکوں سے دوستی کرنا کوئی عجیب بات تھی۔ اور نہ یہ قابل بیان بات تھی۔ کہ اگر یہ مسلمان ہوتے تو ایسا

نہ کرتے۔ یہود کا مشرکوں سے دوستی کرنا۔ اس لئے قابل تعجب نہیں کہ ان کی مشرکوں سے جنگ نہ تھی۔ پس یہ آیت جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہود کی نسبت ہے۔ اور اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ یہود مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے صلح کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات اچھی نہ تھی۔ اگر وہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا اس آیت میں اس امر پہ زور دیا گیا ہے۔ کہ اگر یہود مسلمان ہوتے تو کفار سے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان سے دوستانہ تعلق نہ رکھتے۔ اور یہ بات کہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے۔ تو مشرکوں سے دوستی نہ کرتے۔ اس لئے قابل بیان نہیں کہ مسلمانوں کی کفار سے چونکہ جنگ تھی۔ جو ان کے شامل ہوتا وہ ضرور مشرکوں سے قطع تعلق کر ہی لیتا۔ پس اگر یہ معنی کیے جاویں۔ جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ تو نہ پہلا جزو آیت کا قابل تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ دوسرا قابل بیان اور ایسے معنوں کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرنا جو حکمت سے خالی ہوں سخت ظلم ہے۔ قرآن کریم تو وہ کتاب ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ نہیں۔ بلکہ ایک ایک حرف۔ بلکہ ایک ایک حرکت معنی خیز ہے۔ اور اس کا کوئی فقرہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور یہ سارے کا سارا مضمون معارف سے اور زبردست صداقتوں سے پُر ہے تم ایک معمولی عقل کے آدمی کی نسبت بھی یہ امید نہ کروگے۔ کہ وہ ان خصوصیات کی نسبت جو اس کی جماعت کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں یہ کہے کہ فلاں جماعت ایسا کیوں نہیں کرتی۔ اگر وہ ہمارے ساتھ ہوتی۔ تو وہ بھی ایسا ہی کرتی۔ کوئی سمجھدار مسلمان یہ فقرہ نہ کہیگا۔ کہ افسوس ہے مسیحی نماز نہیں پڑھتے۔ اگر وہ مسلمان ہوتے۔ تو وہ بھی نماز پڑھا کرتے۔ یا یوں نہ کہیگا۔ کہ افسوس ہے۔ کہ ہندو لوگ حج نہیں کرتے۔ اگر وہ مسلمان ہوتے تو وہ بھی حج کرتے یا یہ کہ افسوس ہے کہ سکھ لوگ رمضان کے روزے نہیں رکھتے اگر وہ بھی مسلمان ہوتے تو روزے رکھتے۔ نماز اور روزہ اور حج تو اسلام کے خاص احکام ہیں۔ انہیں کیا شک ہے کہ جو مسلمان نہیں وہ یہ کام نہ کریگا۔ کیونکہ احکام ان باتوں میں سے نہیں۔ جو فطرت کے تقاضوں سے تعلق رکھتے

ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ جو سچے دل سے مسلمان ہوجاویگا۔ وہ یہ کام کرنے لگ جاویگا۔ اگر کوئی عقلی بات ہوتی یا فطرتی تقاضا ہوتا۔ تب اس قسم کا کلام کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ عقلی باتیں یا فطرتی تقاضے کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہر عقلمند انسان سے امید کیجاتی ہے۔ کہ وہ ان کے مطابق عمل کریگا۔ اور جو قوم فطرت کی آواز کا جواب دینے کی عادت رکھتی ہے۔ اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر فلاں شخص اس قوم میں ہوتا۔ تو فطرتی تقاضوں یا عقل کی باتوں کے پورا کرنے میں کوتاہی نہ کرتا۔ مثلاً گو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ افسوس ہے۔ ہندو لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ اگر یہ مسلمان ہوتے۔ تو نماز پڑھا کرتے۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ فلاں نیچ قوم کے لوگ تعلیم سے غافل ہیں۔ اگر وہ لوگ مثلاً مسیحی یا ہندو یا مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ پس جب تک اس آیت کے الفاظ کسی عقلی قانون کی طرف اشارہ نہ کریں اس کے کوئی معنی بنتے ہی نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکیمانہ کلام پر حرف آتا ہے پس حق یہی ہے۔ کہ یہ آیت ایک عقلی قانون کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہود اہل کتاب ہیں۔ اور مسلمان بھی اہل کتاب ہیں۔ مسلمان ان کے تمام نبیوں کو مانتے ہیں۔ ان کی شریعت اور انکی تعلیم کے ایک بڑے حصہ کو مانتے اور اسپر عمل کرتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ انکی طرح ایک خدا کے ماننے والے ہیں۔ پس عقل یہ چاہتی تھی کہ جو جتنا قریب ہوتا اس سے اسکے قرب کے مطابق سلوک کیا جاتا اور یہ بات بالکل خلاف عقل تھی۔ کہ جو لوگ زیادہ قریب ہوتے ان سے دور رہا جاتا ہے۔ اور جو دور ہوتے انکی تائید کیجاتی۔ مگر یہود ایسا ہی کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم یہود کی نسبت فرماتا ہے:۔ الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتٰب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھٰؤلاء اھدٰی من الذین اٰمنوا سبیلًا (نساء ع ۸) یعنی کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جو کتاب میں سے حصہ دیئے گئے ہیں کہ یہ بدفالیوں اور شریروں اور شیطان کی باتوں کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفار مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہوتے تو کبھی یہ بے اصولا پن نہ کرتے بلکہ ہر ایک قوم کو اس کی

حقیقی منزلت پر رکھتے۔ چنانچہ قرآن کریم نے نہ صرف یہ سلوک میں یہود و نصاریٰ کو کفار پر فضیلت دی ہے کہ ان کی لڑکیاں لینی جائز رکھی ہیں۔ اور مشرکوں کی نہیں۔ ان کے کھانے جائز رکھے ہیں اور مشرکوں کے نہیں۔ بلکہ خود یہود و نصاریٰ کو سمجھایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی خوبیوں کا انکار نہ کیا کرو۔ چنانچہ فرمایا کہ وقالت الیھود لیست النصاریٰ علیٰ شیئٍ و قالت النصاریٰ لیست الیھود علیٰ شیئٍ و ھم یتلون الکتٰب کذالک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم (بقرہ۔ رکوع ۱۴) یعنی یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ میں کوئی خوبی نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود میں کوئی خوبی نہیں حالانکہ دونوں بائبل پڑھتے ہیں (جسمیں کئی خوبیاں ہیں) اسی طرح وہ لوگ جو جاہل تھے کہا کرتے تھے۔ یعنی ایک دوسرے کی خوبیوں کو بالکل نظر انداز کر دینا اور لڑائی جھگڑے کے وقت نیکی اور بدی کا موازنہ نہ کرنا تو جہلاء کا کام ہے۔

غرض اس آیت میں اسباب پر زور نہیں دیا گیا کہ اگر یہود مسلمان ہوتے تو کفار سے دوستی نہ کرتے۔ کیونکہ یہ تو ایسی بات تھی۔ جس کے کہنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ اسمیں کیا شبہ ہے کہ یہود کی چونکہ کفار سے جنگ نہ تھی۔ وہ ان سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو چونکہ مسلمانوں سے کفار کی جنگ تھی وہ ان سے دوستی ترک کر دیتے۔ پس آیت کا یہی مطلب ہے کہ یہود مذہبی معاملہ میں بھی مشرکوں کی تائید کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے مذہب کی حقارت کرتے ہیں۔ اور ان کو مسلمانوں سے اچھا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان سے ان کو مذہب میں کوئی اشتراک نہیں لیکن مسلمانوں سے سینکڑوں اشتراک کی وجوہ موجود ہیں۔ اگر یہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے یعنے اسلام نے جو اخلاق اور تہذیب سکھائی ہے۔ وہ اس بات سے مانع ہے کہ کوئی شخص عداوت میں حق کو بھی ترک کر دے۔ اور گویا اس طرح یہودی مذہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہے (افسوس کہ آج باوجود قرآن کریم کے احکام صریح کے مسلمان بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ بارہا متعصب لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ ان احمدیوں سے تو ہندو اور عیسائی اچھے ہیں۔ بعض لوگ اپنے رشتہ داروں سے کہتے ہیں کہ تم عیسائی ہو جاؤ تو پرواہ نہیں مگر احمدی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی آنکھیں کھولے) پس اس آیت سے ترک موالات کا حکم نکالنا صریح بے انصافی ہے اور قرآن کریم کی آیات کا غلط استعمال ہے ؎

اگر اس آیت میں عام دوستی مراد لیجائے تو بھی اس سے ترکِ موالات ثابت نہیں ہوتی

اگر اس آیت کے وہ معنے نہ بھی کیئے جائیں جو میں نے کیئے ہیں۔ اور یہی مراد لی جائے کہ اس آیت میں عام دوستی مراد ہے۔ تو بھی یہ آیت ترکِ موالات کی تائید میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں تو یہودیوں پر افسوس کیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں سے دوستی کرتے ہیں۔ پس جب قرآن کریم یہود پر اسلیئے افسوس کرتا ہے کہ وہ کیوں مسلمانوں کے مقابلہ میں جو کتاب کے ماننے والے ہیں مشرکوں سے دوستی رکھتے ہیں تو کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس آیت سے یہ استدلال کیا جائے کہ انگریزوں سے جو مسیحی ہیں اور قرآن کریم کے ارشاد "اقربہم مودۃ" کے مصداق ہیں یعنی سب کفار سے زیادہ مسلمانوں سے محبت رکھنے والے ہیں۔ ترکِ موالات کیا جائے۔ اور دوسری اقوام سے جو اہل کتاب نہیں ہیں۔ دوستی کی جائے رکیا اس سے بھی زیادہ الٹ فتویٰ کوئی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم تو کہے کہ اہل کتاب کے مقابلہ میں مشرکوں سے کیوں دوستی کرتے ہو اور فتویٰ یہ دیا جائے کہ اہل کتاب سے تو ترک موالات کرو۔ اور غیر اہل کتاب سے دوستی۔ یہ تو ایسا فتویٰ ہے۔ جسے اس آیت کے الفاظ نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ اس کے خلاف تعلیم دیتے ہیں ۔

اس آیت میں ظاہری دوستی مراد نہیں بلکہ مذہبی جنبہ داری مراد ہے۔

اصل بات یہی ہے کہ اس آیت میں ظاہری دوستی پر زور نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہود جو مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکوں سے مذہبی جنبہ داری کرتے تھے۔ اسپر ان کو ڈانٹا ہے کہ وہ ایسے خلافِ عقل طریق کو کس طرح اختیار کرتے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ یہ حرکت اسی امر کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے سچے دین کا انکار کر کے اپنی فطرت کو مسخ کر لیا ہے ۔

مفتیوں کی پیش کردہ آیات کے علاوہ بعض دیگر ایسی آیات

اب میں ان آٹھوں آیتوں کی صحیح تفسیر بیان کرنے کے بعد جو ترکِ موالات کے حامی پیش کرتے ہیں۔ بعض اور آیات بھی لکھ دیتا ہوں۔ جن کو اسی مسئلہ کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ اس مسئلہ پر نظر ڈالتے ہوئے وہ بھی نظر کے نیچے رہیں۔

پہلی آیت ایک آیت تو یہ ہے کہ یٰایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یألونکم

خبالاً ودّوا ما عنتم - (آل عمران - ع ۱۲) یعنی اے مومنو! مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدان دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے! ور چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑ جاؤ" اس آیت کا مضمون بھی پہلی آیات سے ملتا ہے اور یہی مطلب ہے کہ جن قوموں سے جنگ ہے۔ ان کے افراد سے گہری دوستیاں کرو۔ کیونکہ یہ بات نقصان رساں ہوتی ہے۔ اور اگر یہ شرط نہ لگائی جائے تو سورہ ممتحنہ کی آیت لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین (ممتحنہ - ع ۲) جسے خود مفتیان ترک موالات نے پیش کیا ہے - بے مطلب ہو جاتی ہے -

دوسری آیت

دوسری آیت سورہ توبہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا اٰباءکم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولھم منکم فاولٰئک ھم الظالمون (توبہ - ع ۳) یعنی اے مومنو! اگر تمہارے باپ اور بھائی کفر کو ایمان سے زیادہ پسند کرتے ہیں تو ان سے دوستی نہ کرو" اس آیت کے آگے اور پیچھے جہاد کا ہی ذکر ہے۔ پس اس جگہ بھی دوستی سے مراد ان لوگوں سے تعلق ہے جو اس وقت مسلمانوں سے دین کی وجہ سے لڑ رہے تھے۔ اور اگر اس کو عام کیا گیا تو پھر ہندوؤں سکھوں وغیرہ قوموں سے بھی اس آیت کے ماتحت تعلق منع ہو جاویگا۔ اور اگر ان سے موالات کرنا سورہ ممتحنہ والی آیت کے ماتحت جائز قرار دیا گیا تو انگریزوں سے موالات کی اجازت بھی اسی آیت سے نکل آویگی۔

تیسری آیت

اسی طرح ایک یہ آیت بھی سند کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے کہ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (مائدہ ع ۱) یعنی بدی اور زیادتی کے معاملہ میں کسی کی مدد نہ کرو" اور یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ چونکہ انگریز اسوقت ایک گناہ کا کام کر رہے ہیں اسلئے ہمیں ان کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے انکو طاقت ملیگی۔ اور یہ گناہ اور زیادتی پر اور بھی دلیر ہو جاوینگے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے دوسری کتب مقدسہ سے ایک نئی تعلیم دی ہے۔ جو اور کسی کتاب میں موجود نہیں (میرا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے متعلق۔ ورنہ ہزاروں تعلیمیں پرانی کتب سے زائد ہیں بلکہ نئی فلسفی کتب سے بھی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کہاں دیگر کتب کہاں قرآن کریم!) اور وہ یہ ہے کہ اس نے بد اور بدی میں فرق کیا ہے۔ اس نے بہت سے موقعوں پر بد کو قابل رحم قرار دیا ہے

لیکن بدی کو سرسری نظر سے دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دی وہ بد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ اس سے عفو سے کام لو۔ لیکن بدی کی نسبت کہیں نہیں فرماتا کہ اس سے بھی چشم پوشی سے کام لو۔ چنانچہ اسی آیت کے پہلے حصہ میں اسنے حکم دیا ہے کہ ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی (مائدہ س ع ۱) یعنی کسی قوم کی دشمنی یعنی اس کا تم کو مسجد حرام سے روکنا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے۔ کہ تم اسپر زیادتی کرو۔ یہ نہ کرو بلکہ اسکے برخلاف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرو اور آگے فرمایا۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اور نہ مدد کرو آپس میں ایک دوسرے کی گناہ اور زیادتی میں"۔ پس اس آیت میں جہاں ایک طرف ظالم کیلئے موقع مناسب کے مطابق رحم کی سفارش کی ہے۔ وہاں دوسری طرف بدی کے مٹانے کی بھی تعلیم دی ہے۔ یہ حکم نہیں دیا گیا کہ گنہگار اور زیادتی کرنیوالے کے ساتھ ملکر کوئی کام نہ کرو۔ بلکہ یہ ارشاد کیا گیا ہے کہ گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ پس گو انگریزوں سے کوئی غلطی سرزد ہو اور انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم ان کاموں میں ان کے ساتھ کام کرنا چھوڑ دیں جو اپنی ذات میں گناہ نہیں ہیں۔ اور یہ کام جن کو اب چھڑوایا جاتا ہے۔ ان کو پہلے کبھی مذہباً ایسا برا نہیں کہا گیا کہ ان کا کرنا حرام ہے۔ پس دوسرے سوالوں کی وجہ سے ان کاموں میں موالات نہیں چھوڑی جا سکتی ہاں اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ آثم اور عادی کے ساتھ ملکر کوئی کام بھی نہ کرو خواہ وہ دین یا دنیا میں فائدہ مند ہی کیوں نہ ہو۔ تب بیشک یہ فتویٰ قابل غور ہو سکتا تھا۔

مولوی محمود الحسن صاحب کے فتویٰ میں ایک حدیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جسمیں بیان کیا گیا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اگر ہم لوگ کفار سے قطع تعلق کرینگے تو پھر ہمارے رشتہ دار چھوٹ جائینگے۔ اور ہماری تجارتیں تباہ ہو جائینگی۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی کہ قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یأتی الله بامره والله لا یهدی القوم الفاسقین۔ کہدو تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت کی کساد بازاری جس سے تم ڈرتے ہو۔ اور مکانات جو تم کو پسند ہیں۔ اگر یہ سب تم کو خدا اور خدا کے

رسُول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو تاکہ لے آئے اللہ اپنا حکم۔ اور اللہ دستگیری نہیں کرتا اس قوم کی جو نافرمان ہو۔"

اس حدیث کے بیان کرنے میں مولوی صاحب موصوف کا منشا یہ بتانا مدنظر ہے کہ ترک موالات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ہوا ہے۔ اور یہ کہ جو لوگ نقصان کے خوف سے اس سے ڈریں وہ خدا کے نافرمان ہیں۔ یہ سوال رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اُٹھ چکا ہے کہ ترک موالات سے بہت نقصان ہوگا۔ اور اسکو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ خود اللہ تعالےٰ نے حل کر چکا ہے کہ خواہ کس قدر نقصان بھی ہو۔ اسپر عمل کرنا چاہیئے۔

اس حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے میرے نزدیک یہ ضروری ہے۔ کہ اس آیت کا زمانہ نزول دیکھا جائے۔ کیونکہ اگر یہ آیت اسوقت نازل ہوئی ہے۔ جب آپ ہجرت فرما چکے تھے۔ اور جب کفار مکہ سے جنگ چھڑ چکی تھی تو تب تو اس حدیث سے کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا کوئی بھی منکر نہیں کہ جن کفار سے مسلمان برسر جنگ ہوں۔ انکے ساتھ محبت اور تناصر کے تعلق رکھنا اور انکو زیر اقتدار ملک میں رہنا یہ سب منع ہے۔ اور یہی مطلب ان آیات کا ہے جو پہلے گذر چکی ہیں۔

لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ یہ آیت ہجرت سے پہلے اُتری ہے۔ تو پھر ہمیں دیکھنا پڑیگا کہ اس حدیث کا جو اس آیت کا شان نزول بتاتی ہے۔ کیا مطلب ہے۔ جب ہم تفاسیر کو اس غرض کیلئے دیکھتے ہیں تو سب کی سب متفق نظر آتی ہیں کہ سورۂ توبہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور بعض تو اسے فتح مکہ کے بعد کی بتلاتے ہیں۔ مگر اسبات پر اکثر متفق ہیں کہ یہ سورۃ ساری کی ساری مدنی ہے۔ اس کا کوئی حصہ مکی نہیں۔ بعض لوگ اس قدر اختلاف کرتے ہیں کہ آخر کی دو آیتیں مدنی نہیں ہیں۔ لیکن انکی نسبت اس جگہ سوال نہیں جس حصہ کی نسبت سوال ہے وہ تمام مفسرین کی رائے کے مطابق مدنی ہے۔ اور مدینہ میں آنیکے بعد چونکہ کفار مکہ کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اسلیئے ان سے تعلقات قطع کرنے کا حکم تھا ہی جیسا کہ پہلی آیات کی تشریح کرتے وقت بیان کیا جا چکا ہے۔

فتویٰ میں حدیث ادھوری لکھی گئی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں جہاں وہ روایت بیان کی گئی ہے۔ جو مولوی محمود الحسن صاحب نے تحریر فرمائی ہے۔ وہاں اسکے ساتھ ایک اور فقرہ بھی ہے۔ جو انکے فتویٰ میں درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے،

ثُمَّ رُخِّصَ لَھُم بَعدَ ذٰلِکَ یعنی پہلے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ کفار سے کلی طور پر قطع تعلق کرو۔ لیکن بعد میں اجازت دیدی گئی تھی "

یہ فقرہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو اسکے یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ جب کفار سے جنگ ختم ہو گئی تو چونکہ وہ حالات بدل گئے تھے۔ جنکی وجہ سے قطع تعلق کا حکم تھا۔ اس لئے بعد میں تعلقات رکھنے کی اجازت دیدی گئی۔ اور یا یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ علاوہ دوستانہ تعلق سے منع کرنے کے چونکہ جنگ کے دنوں میں کسی طرح قائم نہیں رکھے جا سکتے۔ آپ نے بعض اور تمدنی تعلقات سے بھی صحابہ کو روک دیا ہو مگر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر دیا ہو۔ ان دونوں معنوں میں سے کوئی سے معنے بھی کیئے جاویں۔ موجودہ زمانہ میں ترکِ موالات کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تو اسکا اثر اس زمانہ میں کچھ بھی نہیں۔ اور اگر دورانِ جنگ کے زمانہ کے لیئے حکم تھا۔ بعد میں حالات کے تغیر کی وجہ سے اسپر عمل کرنا چھوڑا گیا تو اسوقت انگریز ہم سے برسر جنگ نہیں ہیں۔ پس ثُمَّ رُخِّصَ لَھُم کا فقرہ جسے فتویٰ نویس صاحبان نے درج نہیں کیا۔ اس حدیث کے معنوں کو بالکل حل کر دیتا ہے۔ اور اسوقت انگریزوں سے ترکِ موالات کرنے کے متعلق اس میں سے کوئی حکم نہیں نکلتا۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے۔ جسقدر بھی دلائل اسوقت تک ترک موالات کی تائید میں دیئے جاتے ہیں۔ ان سے موجودہ زمانہ میں ترک موالات کا فرض ہونا تو کیا اس کا واجب یا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ کہنا کہ اسوقت شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق ہم ترک موالات کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ایک ظلم عظیم ہے۔ اور اسلام سے ہنسی کرنا ہے۔ ترک موالات کے حامی عقل کی رُو سے مصلحتِ زمانہ کی رُو سے۔ ضروریات موجودہ کے رُو سے جس قدر چاہیں۔ ترک موالات پر زور دیں۔ مگر شریعت سے اس کا فرض ہونا ثابت کرنا ایک ایسا اندھیر ہے۔ جو نصف النہار کے سورج کا انکار کرنے سے بھی زیادہ ہے۔ اور اسلام کا ادب اور شریعت کا احترام رکھنے والا انسان کبھی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

شاید بعض لوگ اسجگہ پر یہ شبہ پیدا کریں کہ انگریز اسوقت چونکہ ایک اسلامی حکومت سے برسرِ جنگ ہیں۔ اسلیئے ان سے ترکِ موالات کا حکم ہے۔ اور یہ بات تم خود تسلیم کر چکے ہو کہ قرآن کریم نے حربی کفار سے ترکِ موالات کرنے کو

فرض قرار دیا ہے۔ پس جبکہ انگریز ترکوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ ان سے حربی کافروں کا اسلوک ضروری ہے۔

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے۔ کہ اوّل تو یہ غلط ہے کہ انگریز اسوقت ترکوں سے جنگ کر رہے ہیں انگریزی حکومت کی اسوقت ترکوں سے صلح ہے۔ اور دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدۂ صلح ہو چکا ہے پس اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو جو انگریزی حکومت کی رعایا ہیں۔ حکام کے برخلاف ترکِ موالات کرنے کی اجازت بھی ہوتی۔ تو بھی اسوقت ان کے لئے یہ امر جائز نہ تھا کیونکہ اب جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اور آپس میں صلح ہو چکی ہے۔ تعجب ہے کہ جس وقت اس سوال کے اُٹھانے کا وقت تھا۔ اُسوقت تو اُٹھایا نہیں گیا۔ بلکہ مسلمان بجائے ترکِ موالات کرنے کے خود لاکھوں کی تعداد میں انگریزی لشکر میں شامل ہوئے۔ اور ترکوں سے جا کر لڑے۔ لیکن اب جنگ کے بعد جب صلح ہو گئی ہے۔ یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ کیا اُسوقت مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ ترکی حکومت کی تباہی کے بعد اتحادی ان کے سب ملک ان کو پھر واپس کر دینگے۔ بلکہ کچھ اور ملک اپنے پاس سے بھی دیدینگے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسوقت ہمیں شرائطِ صلح کا پتہ نہیں تھا۔ کیونکہ اوّل تو شرائطِ صلح معلوم ہوں یا نہ معلوم ہوں۔ ہر ایک عقلمند انسان سمجھ سکتا تھا کہ اسقدر خطرناک جنگ کے بعد نقشہ وہی نہیں رہ سکتا جس طرح کہ پہلے تھا۔ دوم جنگ کے دوران میں ہی اتحادیوں کی طرف سے یہ اعلان ہو چکے تھے۔ کہ جن ممالک کی زیادہ آبادی غیر اقوام کی ہے۔ انکو ترکوں کے ماتحت نہیں رکھا جاویگا۔ اور اس شرط کے ماتحت شام فلسطین عرب عراق وغیرہا علاقے جنگ کے بعد خود بخود ترکوں کے ہاتھ سے نکل جانے تھے۔ اور اس کا علم ساری دُنیا کے لوگوں کو تھا۔ اگر کسی بات کا علم نہ تھا تو فقط تھریس اور سمرنا کا۔ پس لاعلمی کا دعویٰ بالکل باطل ہے ؎

اگر بفرضِ محال اسوقت ترکِ موالات فرض ہے تو اس کا پہلا قدم یہاں سے ہجرت ہے۔	پھر اگر بفرضِ محال مان ہی لیا جاوے۔ کہ انگریز اب تک برسرِ جنگ ہیں اور حربی کافر ہیں تو پھر یاد رکھو کہ تمہارا پیچھا صرف ترکِ موالات سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اگر یہ بات

درست ہے کہ انگریز حربی کافر ہیں اور اگر یہ بات درست ہے۔ کہ یہ اسلام کے مٹانے کے لیے جنگ کر رہے

ہیں۔ اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال رہے ہیں تو ترکِ موالات بے شک فرض ہے اور اس کا تارک منافق ہے۔ لیکن اس سے پہلے ایک اور قدم ہے جس کا اٹھانا ضروری ہے تم انگریزوں کو حربی کافر قرار دے کر صرف ان کے سکولوں اور کالجوں کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ تم ان کی عدالتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں کر سکتے۔ تم ان کے خطاب واپس دیکر اپنی روحوں کو موت سے نہیں بچا سکتے۔ تم انکی کونسلوں کو بائیکاٹ کر کے سچے مسلم نہیں بن سکتے۔ بلکہ اس صورت میں تم پر واجب ہے کہ تم اس ملک کو چھوڑ دو جس پر وہ حکمران ہیں یہی قرآن کریم کا حکم ہے۔ اور تمام دنیا کے علماء ملکر بھی اس سے چھوٹا اور کوئی فتویٰ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ شریعت کامل ہو چکی ہے۔ اور اب کوئی نیا حکم نہیں آسکتا۔ اگر ترکِ موالات اس وقت فرض ہے تو ترکِ موالات سے پہلا قدم ہجرت ہے۔ جسکے اٹھائے بغیر تم ترکِ موالات نہیں کر سکتے۔ ہجرت ترکِ موالات وغیرہا احکام ایسے نہیں ہیں کہ جو صرف الفاظ میں محدود ہوں اور عملی طور پر ان کی تفسیر نہ کی گئی ہو۔ ان احکام پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بار بار صحابہ نے عمل کر کے دکھایا ہے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں عمل کر کے دکھایا ہے۔ پس ان کی تشریح میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہجرت کے بعد مکہ والوں سے مسلمانوں کی جنگ تھی۔ ان کے ملک میں ان کے زیر اقتدار مسلمان بھی بستے تھے لیکن ان کو کبھی بھی ترکِ موالات کا حکم نہیں دیا گیا۔ ترکِ موالات کا حکم ان لوگوں کے لیئے تھا جو کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے تھے۔ جو لوگ کفار کے ہی علاقہ میں تھے۔ ان کے لیئے پہلا حکم ہجرت کا تھا جب تک وہ ہجرت نہ کرتے وہ مسلمانوں میں شامل ہی نہ ہو سکتے تھے۔ اور اسلیئے اسلامی احکام کے پابند ہی نہ سمجھے جاتے تھے۔ یہ حکم تبھی آکر منسوخ ہوا جبکہ مکہ فتح ہو گیا۔ اور کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ اور اگر آج پھر وہی حالت ہے کہ ایک دشمنِ اسلام اسلام کو مٹانے کے لیئے اور لوگوں کو جبراً اسلام سے مرتد کرنیکے لیئے مسلمانوں پر فوج کشی کر رہا ہے تو اسوقت پھر وہی حکم جاری ہوگا۔ جو اسوقت جاری تھا اور اس صورت میں جو شخص ہجرت نہیں کرتا خواہ وہ کتنے ہی خطاب ترک کر دے۔ کالج کی تعلیم چھوڑ دے۔ نوکری چھوڑ دے بلکہ انگریزوں کا بنایا ہوا کپڑا بھی پہننا چھوڑ دے۔ تو بھی وہ شخص مسلم کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ قرآن کریم ان حالات میں ہجرت نہ کرنیوالے کو منافق کہتا ہے اور صاف طور پر کفار میں شامل کرتا اور جہنمی قرار دیتا ہے ؎

عدم استطاعت ہجرت کا عذر اور اسکا جواب

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ ہم میں ہجرت کی طاقت نہیں۔ کیونکہ ہجرت کے راستہ میں روک صرف جسمانی نا قابلیتیں سمجھی گئی ہیں۔ جیسے کوئی شخص ایسا بوڑھا ہو کہ چل نہ سکتا ہو۔ یا اندھا ہو۔ یا لنگڑا ہو۔ یا ایسا بیمار ہو۔ کہ چارپائی سے اٹھ نہ سکتا ہو۔ یا عورت ہو۔ یا بچہ ہو۔ جسمانی کمزوریوں کے سوا دوسرے عذر اس معاملہ میں نہیں سُنے جاتے۔ اور ان سب عذرات کو اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں لغو اور بیہودہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (نساء ع ۱۴) یعنے وہ لوگ کہ جنکی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں (تمام مفسرین اسکے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی ہوئی ہوتی) ملائکہ ان سے پوچھتے ہیں۔ کہ تم کس خیال میں تھے یعنے تم نے کیوں ہجرت نہیں کی۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ ہجرت کیوں کرتے؟ وہ کہینگے۔ کہ کیا اللہ تعالےٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اسمیں ہجرت کر جاتے۔ پس یہ لوگ جہنم میں ڈالے جاوینگے۔ اور یہ بُرا ہی ٹھکانا ہے۔ ہاں وہ لوگ مستثنےٰ ہیں جو واقعی معذور ہیں۔ مردوں یا عورتوں یا بچوں میں سے جن کے اس ملک سے نکلنے کا کوئی سامان ہی نہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں۔ پس یہ لوگ ایسے ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو معاف کر دے اور اللہ تعالےٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو کوئی شخص اللہ تعم

کے راستہ میں ہجرت کرے وہ دنیا میں مصائب سے بچنے کے کئی راستے پاویگا اور کشائش دیکھیگا اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور اس کے رسولؐ کی خاطر ہجرت کرتا ہے۔ پھر اس کو موت آجاتی ہے تو اسکا بدلہ خدا کے حضور میں مسلّم ہوگیا۔ اور اللہ تعالےٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے" ؛

اس آیت سے ثابت ہے کہ سوائے ان اشخاص کے کہ جسمی عوارض کیوجہ سے ہجرت نہ کرسکیں۔ اور دوسرے لوگ خواہ غربت کا عذر رکھتے ہوں۔ خواہ تعلقات کا خواہ چھوٹے درجہ کے لوگ ہوں خواہ بڑے درجہ کے لوگ ہوں عالم ہوں کہ جاہل سب پر ہجرت فرض ہے۔ اور اگر وہ ہجرت کئے بغیر مرجاویں تو وہ جہنمی ہوں گے ؛

اس عذر کا جواب کہ یہ حکم ہجرت صرف آنحضرتؐ کے زمانہ سے متعلق ہے

شائد کوئی اسجگہ کہدے کہ یہ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت کی بات ہے۔ اب تو یہ حکم نہیں۔ مگر یہ حیلہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اسطرح احکام کو محدود کرنے لگیں۔ تو قرآن کریم کے تو بہت تھوڑے احکام رہ جائینگے جو سب مسلمانوں کے لئے ہوں گے کیونکہ بالعموم قرآن کریم میں مخاطب کرکے احکام نازل ہوتے ہیں۔ پس جیسا کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ احکام ہر زمانہ کے لیئے ہیں جب بھی یہ حالت ہوگی کہ ایک کافر حکومت اسلام کے مٹانے کے لئے تلوار پکڑیگی۔ اسکے ماتحت رہنے والے مسلمانوں کو حکم ہوگا کہ وہ اسکا ملک چھوڑ کر چلے جاویں۔ اور پھر ان مسلمانوں سے ملکر جنکے مقابلہ پر وہ دشمن اسلام کھڑے ہیں کفار کا مقابلہ کریں۔ اور سب کچھ خدا تعالےٰ کے لئے قربان کردیں۔ چنانچہ فتح البیان میں لکھا ہے "فیراد بالارض کل بقعة من بقاع الارض تصلح للهجرة اليها ويراد بالارض الاولى كل ارض ينبغي الهجرة منها" یعنے ہجرت کی زمین سے صرف مدینہ مراد نہ لیا جاویگا۔ بلکہ ہر ایک زمین جو ہجرت کرنیکے قابل ہو وہ مراد لیجاویگی۔ اور اسیطرح وہ زمین جہاں سے ہجرت کرنی ہے۔ اس سے مراد بھی صرف مکہ نہیں لیا جاویگا۔ بلکہ ہر ایک وہ زمین مراد لیجاوے گی۔ جہاں سے ہجرت کرنا مناسب ہو ؛

غرض یہ حکم ہر زمانہ کے لئے ہے اور اگر انگریز واقع میں دین اسلام کے مٹانے

کے لئے جنگ کر رہے ہیں اور اپنا ک بر سر جنگ ہیں۔ تو بھی ان سے ترک موالات کا حکم نہیں پہلا حکم انکے مقبوضہ ملک سے نکل جانے کا ہے۔ اور پھر ترک موالات کا حکم ہوگا۔ اور کسی کا حق نہیں کہ اس آسان حکم کو توڑ دے اور شریعت کے اصل حکم کو چھوڑ دے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ یہ سب بات ہی غلط ہے اور اس پر بناء الفاسد علی الفاسد کی مثل صادق آتی ہے۔ نہ انگریز مسلمانوں سے دین اسلام سے جبراً توبہ کرانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور نہ یہ حربی کافر ہیں کہ ان کے مقبوضہ ملک سے ہجرت کیجائے۔ اور جب ہجرت کا حکم نہیں تو ترک موالات کا بھی حکم نہیں۔ کیونکہ ترک موالات کا حکم ہجرت کے بعد ہوتا ہے نہ ہجرت سے پہلے۔

اگر انگریز واقعی حربی کافر ہیں تو صرف ہجرت بھی کافی نہیں بلکہ اسکے بعد دوسرا قدم جہاد ہے

اگر پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انگریز واقعی حربی کافر ہیں جو اسلام کے مٹانے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور ان سے جنگ کر رہے ہیں اور انکو گھروں سے نکال رہے ہیں۔ جو شرطیں کہ ترک موالات کے لئے ضروری ہیں۔ تو صرف ہجرت بھی کافی نہ ہوگی۔ بلکہ ہجرت پہلا قدم ہوگا۔ ہجرت کے بعد دوسرا قدم جہاد ہوگا۔ کیونکہ جو قومیں اسلام کے مٹانے کے لئے لڑتی ہیں انسے جنگ کرنا اور ان کے حملہ کا جواب دینا سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور اللہ تعالے قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔ یعنے اے لوگو! اگر تمہارے باپ دادے اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتہ دار اور دوست اور مال جو تم نے کمائے اور تجارتیں کہ جنکے نقصان سے تم ڈرتے ہو۔ اور گھر جو تم کو پسند آتے ہیں۔ تمہیں اللہ اور اسکے رسول سے اور اسکے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو انتظار کرو۔ یہانتک کہ اللہ تعالے کا حکم آجاوے۔ اور اللہ تو فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" پس اگر انگریز واقعہ میں اسلام کو مٹانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ تو اول انکے مقبوضہ ممالک سے ہجرت اور

ان سے جنگ کرنی ہر مسلمان پر واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو قوم مذہب کے لیئے تلوار اٹھاتی ہے۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں ہوتی۔ کہ اسے دنیا میں حکومت کرنیکا موقعہ دیا جاوے۔

اس سوال کا جواب کہ جہاد صرف تلوار کا ہی نہیں ہوتا

شاید بعض لوگ یہ کہدیں۔ کہ جہاد سے مراد تلوار ہی کا جہاد نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے علاوہ اور بھی جہاد ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ گو جہاد صرف تلوار کے جہاد کو ہی نہیں کہتے۔ بلکہ رسول کریمؐ نے نفس کی اصلاح کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ اور اسے تلوار کے جہاد سے بڑا قرار دیا ہے۔ مگر جس قسم کا جہاد اسلام کے خلاف ہو رہا ہو۔ اسکے مقابلہ میں اسی قسم کے جہاد کا حکم ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ لوگ تلوار لے کر مسلمانوں سے جبرًا توبہ کرواتے پھریں۔ اور کوئی شخص یہی توجیہ کر کے کہدے کہ میں نفس کا جہاد جو بڑا ہے کر رہا ہوں۔ اور ان لوگوں کا ہاتھ نہ پکڑے۔ کیا کوئی عقلمند اس بات کو جائز قرار دیگا؟ کہ اس قسم کی توجیہات سے کہ مال کا جہاد ہوتا ہے۔ اور علم کا بھی جہاد ہوتا ہے۔ اور نفس کا بھی جہاد ہوتا ہے۔ اور وقت کا بھی جہاد ہوتا ہے۔ لوگ اپنا پیچھا چھڑا لیں۔ اور اسلام کو دشمن پامال کرتا پھرے۔ اگر دشمن تلوار کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے تو جبتک تلوار ہی کے ساتھ جہاد نہ کیا جاوے کوئی دوسرا جہاد قبول نہیں ہو سکتا۔

اس سوال کا جواب کہ جہاد فرض کفایہ ہے ہر فرد پر فرض نہیں۔

یہ بھی شبہ نہیں پیش کیا جا سکتا۔ کہ جہاد ایک فرض کفایہ ہے۔ اگر مسلمانوں کا ایک حصہ جہاد کر رہا ہو تو دوسرا حصہ اگر جہاد میں شامل نہ ہو۔ لیکن ان کی ہمدردی دل میں رکھے یا دوسرے ذرائع سے انکی مدد کرے۔ تو اسکا حق بھی ادا ہو جاتا ہے کیونکہ گو جہاد فرض کفایہ ہے۔ لیکن اسی وقت تک کہ تلوار سے جہاد کرنیوالے باقی مسلمانوں کی طرف سے جہاد میں کفایت کر رہے ہوں۔ اسلام کا فاتح لشکر جو اسلام کے خلاف مذہبی جنگ کرنیوالوں کو ہر میدان میں شکست دے رہا ہو۔ بلاشبہ باقی مسلمانوں کو تلوار کے جہاد میں حصہ لینے سے آزاد کر دیتا ہے۔ لیکن اگر اسلامی لشکر شکست کھاتا ہو اگر ایک کے بعد دوسرا علاقہ

اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہو اگر اسلام کا مٹانے والا دشمن اسلام کو اور اسکے ماننے والوں کو مٹاتا چلا جا رہا ہو تو پھر یہ نہیں کہا سکتا کہ جہاد کرنیوالے سب مسلمانوں کیطرف سے ان کے فرض کو پورا کر رہے ہیں۔ ایک شب خون جو کسی سرحد پر پڑتا ہے اس کے بچانے کے لئے تو بیشک وہاں کی چوکی کافی ہے۔ اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو وہاں جمع ہونے کی حاجت نہیں۔ لیکن اگر دشمن آگے ہی آگے بڑھتا چلا آوے تو پھر لوگ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ صرف ساتھ ملنے والے علاقوں پر جہاد ہوتا ہے۔ کیا وہ اس وقت کا انتظار کرینگے کہ ایک ایک کر کے سب شہر ہاتھ سے نکل جاویں یا آگے بڑھ کر اس رو کو روکیں گے۔

اس سوال کا جواب کہ ہم جنگ کرنا نہیں جانتے

اسطرح اگر انگریز واقعہ میں اسلام کے مٹانے کیلئے ایک مذہبی جنگ کے مرتکب ہیں۔ تو کوئی شخص یہ کہکر کہ میں لڑائی نہیں جانتا۔ اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ قرآن کریم نے اس قسم کے حیلہ سازوں کو منافق کہا ہے اور اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ کونسا کام ہے جو انسان کا پیدائش سے پہلے ہی سیکھا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ایک کام سیکھ کر آتا ہے۔ حکومت برطانیہ نے چند سال میں ۱۲ لاکھ فوج سکھائی یا نہیں۔ پس یہ کہنا کہ ہم لوگ جنگ نہیں جانتے ایک منافقانہ عذر ہوگا۔ اللہ تعالے منافقوں کی نسبت فرماتا ہے:- وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ (آل عمران ۱۷ع) منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے راستہ میں لڑو یا یوں کہو۔ کہ دشمن کا حملہ دور کرو۔ تو جواب دیتے ہیں کہ اگر ہمیں لڑائی کا فن آتا۔ تو ہم ضرور تمہارے ہمراہ چلتے۔ یہ لوگ اس دن جب انہوں نے یہ بات کہی ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے یہ لوگ وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے اسے جو یہ چھپا کرتے ہیں۔

پس اگر واقعہ میں کوئی مذہبی جنگ شروع ہے اور اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے

مٹایا جارہا ہے جو ترک موالات کے لئے شرط ہے تو اس سے پہلے ہجرت کرنا اور پھر جہاد کرنا بھی فرض ہے۔ اور اگر یہ دونوں باتیں فرض نہیں تو یقیناً ترک موالات بھی فرض نہیں کیونکہ ترک موالات اسی قوم سے ہوتی ہے جس سے مذہب کی خاطر جنگ ہو رہی ہو +

کیا انگریزوں کو جبراً اسلام کے مٹانیوالے قرار دینا اور ہجرت و جہاد کے بغیر ترک موالات کا فتویٰ دینا اسلام پر تمسخر نہیں؟

میں ہر ایک اس شخص سے جو قرآن کریم اور شریعت اسلام کا ادب دل میں رکھتا ہے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اپنے سچے دل سے یہ بتائے کہ کیا واقعہ میں انگریز اسلام کو جبراً مٹا رہے ہیں اور پکڑ پکڑ کر لوگوں کو مسیحی بنا رہے ہیں؟ اور اس لئے مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں کہ کیوں وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں؟ اور قرآن کو مانتے ہیں؟ اگر یہ بات نہیں تو وہ بیدار ہو جاوے۔ کہ اسوقت کس طرح شریعت اسلام سے تمسخر کیا جارہا ہے اور اسکی محبت کا دعویٰ کر کے اسکی ہنسی اڑائی جارہی ہے اور اس سے دشمنی کیجاتی ہے۔ اور خدا اور اسکے رسول ؐ کیطرف وہ باتیں منسوب کیجارہی ہیں جو انہوں نے نہیں کہیں۔ اور اگر فی الواقعہ انگریز مذہبی جنگ ہی کر رہے ہیں تو پھر شریعت نے ان لوگوں کو کب اختیار دیا ہے کہ یہ شریعت کے احکام کو منسوخ کر کے جو چاہیں حکم دیدیں۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمان صرف کفار کے پاس نکلنا بیٹھنا یا ان سے بات چیت ترک کر کے ان احکام سے آزاد ہو سکتے تھے جن سے اسوقت بعض لوگ ترک موالات کر کے مسلمانوں کو آزاد کرانا چاہتے ہیں؟

مولوی محمود الحسن صاحب کا یہ فتوے دینا کہ میں اسوقت تلوار چلانیکا فتویٰ نہیں دیتا اور ترک موالات کے دوسرے حامیوں کا انکی رائے سے اتفاق کرنا اور کم سے کم عملاً سب علماء کا تصدیق کرنا دو باتوں میں سے ایک کیطرف ضرور اشارہ کرتا ہے یا تو یہ کہ ترک موالات کا یہ وقت نہیں ہے اور شریعت کے احکام کے ماتحت اسوقت اسکی اجازت نہیں ہے لیکن چونکہ مسلمانوں کے جوش اسوقت تک نہیں بھڑک سکتے جبتک کسی بات کو مذہبی

رنگ نہ دیا جاوے۔ اس لئے ترک موالات کو مذہبی جامہ پہنا دیا گیا ہے یا یہ کہ دل سے علماء سمجھتے ہیں کہ ہجرت اور جہاد دونو اس وقت فرض ہیں۔ لیکن یا تو حکومت سے ڈر کے اس کا نام نہیں لیتے اور ترک موالات جسکی تلقین کرنا قانونی زد سے بچائے رکھتا ہے۔ اس پر زور دیتے ہیں۔ اور یا یہ کہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے ہجرت اور جہاد کا فتویٰ دیا تو ہمیں بھی اپنا آرام ترک کرنا پڑے گا۔ اور اگر ہم نے اپنے فتوے پر عمل نہ کیا تو لوگ ہم پر اعتراض کرینگے کہ لوگوں کو کہتے ہو خود کیوں عمل نہیں کرتے۔ اگر ان دونو صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ترک موالات جو تیسرا قدم ہے اس پر تو زور دیا جاتا ہے۔ اور زیچ کے دو قدموں کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ کیا اب وہ آیات قرآنیہ جنہیں یہ شرائط بتائی گئی ہیں منسوخ کر دیگئی ہیں؟ یا لوگوں میں خوف خدا ہی نہیں رہا؟ کہ جس طرح چاہتے ہیں قرآن کریم کے احکام کو بگاڑ کر پیش کر دیتے ہیں؟ کاش! عقلمند انسان آنکھیں کھولکر دیکھیں کہ اس طریق کا کسقدر نقصان ہو رہا ہے؟

موجودہ حالت کے متعلق ترک موالات کے حامیوں کے ضمیر کا فتوےٰ

کھیری کے ڈپٹی کمشنر کا قتل ایک بیّن ثبوت ہے اس اَمر کا کہ جب حکومت سے ترک موالات کی تعلیم دیجاوے تو لازماً انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسی حکومت کے باقی رکھنے کی کیا حاجت ہے؟ اس خیال کی اشاعت یقیناً فساد پھیلانیوالی ہے اور امن کو دور کرنے والی ہوگی۔

اسوقت ہندوستان کے مسلمانوں کا جہاد کی فرضیت سے انکار کرنا صاف بتا رہا ہے کہ عدم تعاون کے بانی ہرگز انگریزوں کی نسبت یقین نہیں کرتے کہ یہ مذہبی جنگ کر رہے ہیں۔ اور اگر مذہبی جنگ نہ ہو تو ترک موالات کا حکم قرآن کریم سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا پس دونو باتوں میں سے ایک بات کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ یا تو انگریزوں کی نسبت فیصلہ کیا جاوے کہ وہ دین اسلام کو مٹانیکے لئے تلوار لیکر کھڑے ہوگئے ہیں

اور جبریہ اشاعت اسلام کو روکتے ہیں۔ اور یا پھر انکو معاہدین کے زمرہ میں شامل رکھا جائے مذہبی پہلو سے اور کوئی تیسری صورت جائز نہیں۔ اگر پہلی صورت فرض کیجائے تو پھر اول ہجرت اور بعد میں جہاد اور ترک موالات کرنا شریعت کا حکم ہے۔ جسے نہ کوئی مولوی موقوف کرسکتا ہے نہ کوئی کمیٹی منسوخ کر سکتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ان حالات سے ناواقف نہ تھا جو اب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر اسوقت ان تمام احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں جتنا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ضروری تھا۔ تو پھر قرآن ایک وقتی ہدایت نامہ ہے۔ یا خدا تعالیٰ کا علم ناقص ہے لیکن اگر قرآن ہمیشہ کے لئے ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا علم کامل ہے تو قرآن کریم کی صریح تعلیم کے بعد کوئی شخص یا کوئی کمیٹی یا کوئی علماء کی جماعت نیا فتویٰ نہیں دے سکتی۔ اور اگر دوسری صورت ہے یعنے انگریز مذہب اسلام کے مٹانے کے لئے اور جبرًا اسلام سے پھرانے کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تب شریعت اسلام کے احکام کے مطابق ان سے ترک موالات کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (ممتحنہ ع ۲) یعنی اللہ تعالیٰ تمکو ہرگز منع نہیں کرتا ان لوگوں کے متعلق جو تم سے برسر جنگ نہیں ہیں اور جنہوں نے تمکو گھروں سے نہیں نکالا کہ ان سے نیکی کرو اور انکے ساتھ عدل کا معاملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ عدل کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

مذہبی جنگ کرنیوالا وہی کافر محارب ہے جو جنگ میں پہل کرے

اس معاملہ پر غور کرتے وقت یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم نے مذہبی جنگ کی یہی شرط بتائی ہے کہ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (توبہ ع ۲) انہوں نے تم سے پہلے جنگ شروع کی ہو۔ لیکن کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ترکوں سے جنگ پہلے انگریزوں نے شروع کی تھی جبکہ جنگ کی ابتدا ترکوں کی طرف سے ہوئی ہے تو پھر انگریزوں پر اعتراض کیا ہے اگر مذہبی جنگ بھی سمجھ لیجائے تو اسکی ابتدا ترکوں کی طرف سے ہوئی ہے نہ کہ انگریزوں کی طرف سے متواتر کئی سال انگریز اور دوسرے اتحادی اس بات کو پیش کرتے رہے ہیں کہ ترکوں نے ہم سے جنگ میں ابتدا کی ہے مگر آجتک اسکا جواب ترک نہیں دے سکے۔ اگر کوئی معقول جواب وہ دے دیتے تو گو دوسرے لوگ اسکو تسلیم نہ کرتے۔ مگر کم سے کم ان سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کے دلوں کو تسلی ہوتی۔ اور وہ سمجھتے کہ ترک اس لڑائی میں معذور تھے اگر بعض خفیہ حالات ایسے موجود بھی تھے جن کا اظہار اب تک نہیں کیا جاسکتا۔ جن کی وجہ سے جنگ ضروری ہوگئی تھی تو بھی اسلام کے احکام کے مطابق ترکوں کو اسوقت تک انتظار کرنا چاہیئے تھا جبتک اتحادی حملہ کرتے اور اپنے پہلے معاہدات کو ایک عرصہ پہلے خدا کے حکم

کے مطابق منسوخ شدہ قرار دینا چاہیئے تھا۔ اور ان کے منسوخ ہونے کی وجوہات بیان کرنی چاہیئے تھیں۔ تاکہ دوسروں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملتا کہ انہوں نے خلاف عہد کام کیا۔ لیکن جب ترکوں نے جنگ شروع کر دی۔ تو کیا یہ اُمید کی جاتی ہے۔ کہ برطانیہ خاموش رہتا۔ اور اپنی سپاہ کو ہلاک ہونے دیتا۔ اور جواب نہ دیتا۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ برطانیہ اور اتحادی خواہ کسی سبب سے سہی اِس امر کو چاہتے تھے کہ ترک یا ان کے ساتھ مل جائیں یا جنگ میں شریک ہی نہ ہوں تاکہ مُسلمانوں کی ہمدردی ان کو حاصل رہے۔ لیکن جب ان کی خواہشات کے خلاف ترک شامل ہوئے۔ اور انہوں نے جنگ کی ابتدا کی۔ تو پھر یہ جنگ مذہبی جنگ کس طرح قرار پاسکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ ترک بلا وجہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ انھوں نے غلطی کی۔ ممکن ہے کہ ان کو اس جنگ میں شامل ہونے میں بعض فوائد نظر آتے ہوں۔ اور نہ شامل ہونے میں نقصان معلوم ہوتا ہو۔ لیکن بہرحال جب انہوں نے ابتدا کی۔ تو وہ جنگ مذہبی نہ رہی دُنیاوی ہو گئی۔ اور دُنیاوی فتوحات اور دُنیاوی فوائد کی جنگوں میں انسان موقعہ اور محل کو دیکھ کر ابتدا بھی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ یہ ثابت کرسکے کہ اس کا جنگ کرنا انصاف پر مبنی تھا ؎

بعض چیزوں کا بائیکاٹ کرنا اور بعض کا نہ کرنا بھی بتاتا ہے کہ وہ اسے شرعی مسئلہ نہیں سمجھتے

ترکِ موالات کے حامیوں کا یہ فعل بھی کہ وہ بعض چیزوں کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ اور بعض کا نہیں۔ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ اسے شرعی مسئلہ نہیں سمجھتے۔ اوّل تو اگر یہ شرعی مسئلہ ہوتا۔ تو اس سے پہلے ہجرت اور پھر جنگ ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی حکومت کے تحت رہتے ہوئے بھی بغیر اس کے مقبوضہ ملک سے ہجرت کرنے کے اور بغیر اس سے جہاد شروع ہونے کے ترکِ موالات کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ بعض وقت ایسا کرنا فرض ہوتا ہے۔ تو پھر میں پُوچھتا ہوں کہ اس شرعی فرض میں اپنی طرف سے تغیر کیوں کر لیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ تو ان لوگوں کی نسبت جن سے ترکِ موالات کا حکم دیتا ہے۔ کُلّی ترکِ موالات کا فتویٰ دیتا ہے۔ پھر یہ کس کا اختیار ہے کہ اس حکم کو نرم یا سخت کر دے۔ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنا تو ایک خطرناک جرم ہے۔ پس اگر ترکِ موالات ایک شرعی حکم ہے تو پھر اسکے مدارج مقرر کرنے کا کسی کو کیا اختیار ہے اور عام لوگ

کے طالب علموں کو تعلیم جاری رکھنے سے منع کرنا اور طبی کالجوں کے طلباء کو پڑھائی جاری رکھنے کی اجازت دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ پھر انگریزوں سے تجارت کرنا کس طرح جائز ہے۔ کیا ترک موالات والی آیت میں "تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا" کا ذکر خاص طور پر نہیں کیا گیا۔ پھر اگر واقعہ میں یہ حکم شرعی ہے۔ تو کیوں تجارت کو بند نہیں کیا جاتا۔ کیوں طبی کالجوں کے طلباء کو بھی پڑھائی چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ کیوں چوری وغیرہ جرائم کے موقعہ پر پولیس کی مدد لی جاتی ہے یا کم سے کم کیوں اعلان نہیں کیا جاتا۔ کہ اگر کسی کے چوری ہو جاوے۔ تو وہ پولیس میں اطلاع نہ کرے کیوں ریل میں سوار ہوا جاتا ہے۔ کیوں ڈاک سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور کیوں تار کے محکمہ سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ کیا قرآن کریم کی ان آیات میں جنمیں ترکِ موالات کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ کوئی حدبندی کی گئی ہے یا ان آیتوں کے سوا اور کوئی آیات ہیں۔ جنھوں نے ان محکموں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدی ہے۔

اگر یہ ترکِ موالات شرعی ہے تو اسے اپنے آپ کیوں محدود کر لیا گیا ہے؟ اور اگر مسٹر گاندھی کے کہنے پر ہے تو اس کا نام شرعی فرض کیوں رکھا جاتا ہے؟

کیا ترکِ موالات کے حامیوں کے پاس ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب نہیں کہ مسٹر گاندھی نے چونکہ ایسا کہا۔ اسلئے ہم اسطرح کرتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس طرح نہ کرو۔ جس طرح مسٹر گاندھی کہتے ہیں اگر کسی کے خیال میں مسٹر گاندھی کا پروگرام مفید اور قابل عمل معلوم ہوتا ہے۔ تو وہ بیشک اسپر عمل کرے مگر مسٹر گاندھی کے قول کو قرآن کریم کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ شریعت اس کا نام کیوں رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو لوگوں سے یہ کہو کہ چونکہ مسٹر گاندھی اس طرح فرماتے ہیں اسی لئے اسی طرح تم کو عمل کرنا چاہیئے۔ یہ کیوں کہتے ہو کہ شریعت اسلام کا یہ فتویٰ ہے۔ شریعت اسلام نے غیر مسلموں سے ترک موالات کرنے کا جن شرائط کے ساتھ حکم دیا ہے وہ شرائط تو جب بھی کسی قوم میں پائی جائیں۔ اس سے ہر قسم کی امداد لینی یا اسکو کسی قسم کی مدد دینی ناجائز ہو جاتی ہے سوائے اس کے کہ تذلل کی امداد ہو۔ یعنی ایسی مدد ہو جسمیں ہم حاکم ہوں اور وہ ماتحت ہوں۔

پس اگر یہ فتویٰ وہی ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور وہی حالات ہیں جنہیں ترک موالات کرنا اللہ تعالےٰ نے فرض قرار دیا ہے تو پھر پروگرام مقرر نہیں ہو سکتے۔ کسی قسم کی موالات معاف نہیں ہو سکتی۔ نفع اور نقصان کو نہیں سوچا جا سکتا۔ لیکن اگر یہ پروگرام شریعت اسلام کا نہیں بلکہ مسٹر گاندھی کا ہے۔ تو پھر اس کو شریعت کی طرف منسوب کرنا اور آیات قرآنیہ سے اس کا استدلال کرنا ایک خطرناک گناہ ہے۔ اگر ترکِ موالات کے حامی اسے شریعت کا فرض مقرر کرتے ہیں۔ تو پھر اس طرح عمل کریں جس طرح کہ شریعت نے کہا ہے۔ اور اگر اسے مسٹر گاندھی کا ارشاد قرار دیتے ہیں تو عوام کو قرآن کریم کے نام سے دھوکا نہ دیں اور اسلام کا تمسخر نہ اڑائیں۔

کیا اب گورنمنٹ برطانیہ بھی ہمارے ساتھ محاربین والا سلوک کرنے کی مجاز ہے؟

پھر اس مسئلہ کے متعلق ایک اور بھی سوال ہے جسے ترکِ موالات کے حامیوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ قرآن کریم سے انہی لوگوں سے ترکِ موالات کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ جو حربی کفار ہوں تو اب جبکہ حکومت برطانیہ کے خلاف ترک موالات کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیا حکومت برطانیہ بھی وہی معاملہ مسلمانوں سے کر سکتی ہے۔ جو دو باہم لڑنیوالی قومیں ایک دوسرے سے کرتی ہیں۔ کیا وہ جسکو چاہیں پکڑ کر قید کردیں۔ ذرہ سی شی پر کو شارٹ نیل چلا کر لوگوں کو قتل کردیں یا مارشل لاء جاری کردیں۔ تو مسلمان اسکو خوشی سے قبول کرینگے کیا وہ اسوقت یہی اعتراض نہیں کرینگے کہ ہم تو وفادار رعایا ہیں۔ ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ پھر جب انگریزوں کے ساتھ حاکم اور رعایا کے تعلقات قائم ہیں۔ تو ترکِ موالات کا فتویٰ کس طرح دیا جا سکتا ہے۔ ترک موالات کا حکم تو اسیوقت ہوتا ہے جب جنگ شروع ہو۔ اور اگر ترکِ موالات کرنے کی شرائط اسوقت پوری ہو گئی ہیں تو حکومت برطانیہ کے لئے بھی جائز ہوگا کہ جس طرح چاہے مسلمانوں سے معاملہ کرے۔ اور اسپر ظلم کا الزام نہیں لگ سکیگا۔ کیونکہ محاربین کے درمیان بہت سی وہ باتیں جائز ہوتی ہیں۔ جو دوسری صورت میں جائز نہیں ہوتیں۔ مگر کوئی شخص اس بات کو قبول نہ کریگا کہ حکومت برطانیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ حربی قوموں والا سلوک ہندوستان کے مسلمانوں سے کرے۔ اسی طرح کوئی عقلمند یہ بھی تسلیم نہ کریگا کہ شریعت نے جو حکم محارب کفار کے متعلق دیا ہے۔ اسے برطانیہ کی حکومت پر چسپاں کیا جائے۔

ترکِ موالات کا حکم صرف خلیفۂ وقت ہی دے سکتا ہے

ترکِ موالات کے حامیوں کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ ترکِ موالات کا حکم دینے کا مجاز صرف خلیفہ ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے احکام کی طرف بُلانا اور اُن کا نافذ کرنا اس کا کام ہے۔ ترکِ موالات چونکہ ان تعلقات میں سے ہے جو افراد کے درمیان نہیں بلکہ قوموں یا حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اسلئے اسکے متعلق فیصلہ خلیفہ ہی کر سکتا ہے۔ لیکن جبکہ وہ سلطان المعظم کی خلافت کے متعلق اسقدر زور دے رہے ہیں۔ کیا کبھی انہوں نے اس امر پر بھی غور کیا ہے کہ خود سلطان المعظم نے کبھی ترکِ موالات کیلئے مسلمانوں کو دعوت نہیں دی۔ بلکہ وہ خود اتحادیوں سے صُلح کرنے پر تیار ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے صُلح کر لی۔ اس صورت میں دوسرے مُسلمانوں کو خصوصاً ان کو جو سُلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ انکے منشاء بلکہ ان کے عمل کے خلاف کام کریں ؛

اس سوال کا جواب کہ سُلطان ترکی بوجہ اتحادیوں کے نرغہ میں آجانے کے معذور ہیں۔

بیشک بعض لوگ کہدینگے۔ کہ سُلطان المعظم کو اتحادیوں نے اپنے نرغہ میں لے لیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سُلطان المعظم اس سے زیادہ نرغہ میں ہیں۔ جسقدر کہ ہندوستان کے مُسلمان ہیں۔ ہندوستان کے مُسلمانوں کے پاس نہ تو فوج ہے نہ اسلحہ۔ نہ مال نہ طاقت۔ اگر یہ ترکِ موالات کر سکتے ہیں تو کیا سُلطان المعظم جو اس حالت سے بہرحال اچھی حالت میں ہیں۔ ترکِ موالات نہیں کر سکتے؟ اور اگر وہ ترکِ موالات نہیں کرتے۔ نہ ترکِ موالات کی مسلمانانِ عالم کو دعوت دیتے ہیں۔ تو کیا ان کے عمل اور انکو منشاء کے خلاف کام کرنیوالے ان کے سچے عقیدتمند کہلا سکتے ہیں۔ کیا مُدعی سُست اور گواہ چست والی مثال ان مسلمانوں پر صادق نہیں آتی۔ جو اسوقت ترکِ موالات پر زور دے رہے ہیں۔

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر فی الواقع سُلطان المعظم کو نرغہ میں لے لیا گیا ہے۔ اور وہ بالکل بے بس ہیں تو کیا مُسلمانانِ ہندوستان اس امر کو درست سمجھتے ہیں۔ کہ خلیفۂ وقت کبھی وقت بھی دشمن کی طاقت کو دیکھ کر ان احکام کے نفاذ کو ترک کر دے۔ جو اس کے سپُرد کیئے گئے تھے۔ پس ان کا یہ رویہ ثابت کرتا ہے کہ یا تو وہ سُلطان المعظم پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ شریعت کے احکام

کی پیروی نہیں کرتے۔ اور بایہ کہ وہ خود شریعت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اور ان کا سلطان المعظم سے تعلق کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اور صرف سیاسی اغراض پر مبنی ہے۔ اور حق بھی یہی ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج سلطان المعظم کے طریق عمل کی بجائے مسٹر گاندھی کے طریق عمل کی پیروی نہ کیجاتی۔ اور ان کو امام گاندھی کا لقب دیکر شریعت اسلام کی علی الاعلان ہتک نہ کی جاتی۔

فتنہ ہلاکو خان اتراک کے وقت علمائے اسلام کا رویہ اور اس سے سبق

ترکِ موالات کے حامیوں کو ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اس سے پہلے بھی ایک زمانہ اسلام پر ایسا آچکا ہے کہ اسکی مرکزی حکومت کفار کے ہاتھ سے برباد ہو چکی ہے۔ ترکوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کا واقعہ مسلمانوں سے پوشیدہ نہیں۔ پس پیشتر اسکے کہ کوئی خاص طریق عمل تجویز کیا جائے ہمارے لیے اس امر کا دیکھنا ضروری ہے کہ اسوقت کے علماء نے کیا طریق اختیار کیا تھا۔ کیا فی الواقع اسوقت کے علماء نے جو اسوقت کے علماء سے اپنے علم اور اپنے تقویٰ میں بہت بڑھکر تھے یہی طریق اختیار کیا تھا۔ جو آجکل ترکِ موالات کے حامی کر رہے ہیں اسوقت تو خلافت کی ظاہری شکل بھی باقی نہ رکھی گئی تھی۔ خود خلیفہ کے خاندان کے ہزاروں مرد و عورت قتل کیے گئے تھے اور بغداد کے ارد گرد اٹھارہ لاکھ آدمی تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ عورتوں کو بھاگنے کے لیے راستہ نہ ملتا تھا اسوقت کے علماء نے کیا فتویٰ دیا تھا۔ اور عالم اسلام نے اسپر کس طرح عمل کیا تھا۔ وہ زمانہ رسول کریم کے زمانہ سے قریب کا زمانہ تھا۔ اور آجکل کے زمانہ سے اچھا تھا۔ کیونکہ اسوقت کے بعد ترکِ موالات کے حامیوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی نئی روح مسلمانوں میں ایسی نہیں آئی۔ جس نے انکو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کر دیا ہو۔ اور جو آئی ہے اسی انہوں نے قبول نہیں کیا۔ پس اس زمانہ کے علماء کے فتوؤں کو بھی تو دیکھو کہ کیا انھوں نے اسی طریق عمل کو اختیار کیا تھا۔ جو آجکل کے لوگ کر رہے ہیں۔

آنحضرت صلعم کی وصیت۔ کفار کو جزیرۂ عرب سے نکالدینے کی بابت

ترکِ موالات کی تائید میں ایک یہ بات بھی پیش کی جاتی ہے۔ کہ جزیرۂ عرب سے کفار کے نکالدینے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ اس لئے جزیرۂ عرب کے ممالک پر مسیحیوں کا قبضہ یا اقتدار نہیں ہونا چاہیئے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ مسجد حرام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

مشرک اس کے قریب آویں۔ لیکن باقی جزیرۂ عرب کے متعلق قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں۔ ان بعض احادیث سے ضرور یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ اگر آپ زندہ رہے تو یہود کو خیبر وغیرہ علاقوں سے خارج کر دینگے۔ اور یہ خواہش حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پوری کی گئی۔ مگر ان احادیث کے متعلق دو سوال حل طلب ہیں۔ اوّل یہ کہ کیا یہ ایسی ہی خواہش تھی کہ اسکے پورا کرنیکے لیئے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ دوّم یہ کہ جزیرۂ عرب سے کیا مراد ہے؟

کیا جزیرۂ عرب کو کفار سے خالی رکھنے کیلیئے جہاد فرض ہے

سوال اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو دیکھتے ہیں کہ یہ ایسا امر نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ایک سیاسی سوال تھا۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں یہود کو نہیں نکالدیا۔ کیا مذہبی احکام کے پورا کرنے میں بھی کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسطرح دیر کیا کرتے تھے آپ الٰہی باتوں کی ایسی غیرت رکھتے تھے کہ ان کے پورا کرنے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہ لگاتے تھے۔

اگر کہا جاوے کہ پہلے آپکو خیال نہیں آیا جسوقت آپکو یہ معلوم ہوا کہ انکو عرب میں نہیں رہنے دینا چاہیئے۔ اسی وقت آپنے اس کا اظہار کر دیا۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ اگر واقعی یہ کوئی مذہبی فرض ہوتا۔ تو کیا آپ اسی وقت ایک لشکر اس غرض کے لئے نہ بھیجدیتے۔ اور اگر بفرض محال آپ ایسا نہ کرسکے تھے۔ تو کیا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں خود اس خواہش کو پورا نہ کر دیا جاتا۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس طاقت نہ تھی۔ مرتدوں کے فتنہ کیوقت جب لوگوں نے کہا کہ جیش اُسامہ کو جسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شام کے لئے تیار کیا تھا روک لیا جاوے تو آپ نے فرمایا کہ ابو قحافہ کا بیٹا (یعنی ابوبکرؓ) کیا حیثیت رکھتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کرے۔ ایسا دلیر آدمی کب گوارا کر سکتا تھا کہ ایسا زبردست حکم جس کے پورا کرنیکے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے اور جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم تھا پورا نہ کیا جائے۔

پھر اگر مرتدین کے فتنہ کیوقت آپنے توجہ نہ کی تھی تو ان کے فتنہ کے دور ہونے کے بعد کیوں

آپ نے یہود کے نکالنے کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ شام کی سرحد اور ایران کی سرحد پر تو جنگیں ہو رہی تھیں لیکن خود عرب کے اندر ایسا عظیم الشان حکم بے توجہی کی نذر ہو رہا تھا کیا یہ بات کسی صاحب بصیرت کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

پس اصل بات یہی ہے کہ حجاز کے علاقہ کو چھوڑ کر جس میں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں اور جسکو خدا اور اس کے رسول نے ایک خاص حیثیت دی ہے۔ باقی عرب کی نسبت جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ بطور فرض اور واجب کے نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک پسندیدہ بات کے طور پر فرمایا ہے۔ پس جب مسلمانوں میں طاقت ہو۔ اور جب مناسب حالات موجود ہوں۔ ان حالات کے پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن جب حالات مناسب نہ ہوں یا مسلمان طاقت نہ رکھتے ہوں تو ان امور کے پورا کرنے کے لیئے جہاد اور قتال فرض نہیں ہوتا ورنہ حضرت ابوبکر رض جو پہلے خلیفہ تھے۔ اور اپنے فتویٰ اور تجربت اسلامی میں سب صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان پر سخت الزام آتا ہے۔

حضرت عمر رض کے بعد بھی اسلامی حکومت کے سامنے یہود جزیرہ عرب میں رہتے تھے

پھر جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رض کے بعد بھی اسلامی حکومتوں کی آنکھوں کے سامنے حجاز سے باہر عیسائی اور یہودی عرب کے علاقوں میں بستے رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اسلامیہ نے کبھی بھی آنحضرت کے ارشاد کے وہ معنی نہیں لیئے جو اب لیئے جاتے ہیں۔ حجاز سے باہر عرب میں یہودی قبائل تیسری صدی ہجری تک بستے رہے ہیں اور سینکڑوں سال سے یمن کے شہروں میں یہودیوں کی ایک معقول تعداد بس رہی ہے۔ اور صنعاء کی بیس ہزار کی آبادی میں سے قریباً دو ہزار یہودی ہے۔ اگر عراق عرب کا حصہ ہے تو ترکی حکومت کے زمانہ میں بھی بغداد بجائے ایک اسلامی شہر کہلانے کے یہودی شہر کہلانے کا مستحق تھا کیونکہ وہاں سب بڑے بڑے مکان اور بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں یہودیوں ہی کے قبضہ میں تھیں۔

غیر مسلم اقتدار عرب پر

یہ تو عرب کی غیر مسلم آبادی کا حال ہے۔ اب رہا غیر مسلم اقتدار کا سوال۔ سو اس کا جواب بھی خود سلطان المعظم کے عمل سے ثابت ہے۔ عدن پر انگریزوں کا قبضہ ایک عرصہ سے چلا آتا ہے ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء تک ایک کمیٹی ترکوں اور انگریزوں کی بیٹھی تھی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ شیخ سعید کے پاس دریائے بانا کے ساتھ قعتبہ نامی قصبہ کے جنوب مشرق کی طرف سے ایک حد صحرائے اعظم کی طرف کھینچی جاوے اور جنوبی علاقہ کو انگریزی اقتدار میں دیا جائے یہ علاقہ تو بے شبہ عرب کا حصہ ہے مگر خود سلطان المعظم نے یہ علاقہ انگریزوں کے سپرد کر دیا پس وہ لوگ جو انکو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں وہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ عرب کے کسی حصہ پہ کسی غیر مذہبی

حکومت کا قبضہ ہونے پر جو جہاد نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیا وہ اس طرح خود سلطان المعظم اور انکی حکومت پر حملہ نہیں کرتے۔ اور کیا یہ عجیب نہیں کہ جب عدن پر جو یقیناً عرب کا حصہ ہے قبضہ کیا گیا تھا اور جب اس قبضہ کو سلطان المعظم کی حکومت نے تسلیم کر لیا تھا اسوقت تو اسپر اعتراض نہ کیا گیا اور اب عراق پر قبضہ کرنے پر (جسکے عرب کا حصہ ہونے میں شبہ ہے) . . . . اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اسوقت ترکی حکومت کمزور تھی یا مسلمانان ہند کمزور تھے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اب وہ طاقتور ہو گئے ہیں۔ اور کیا جہاد کے لیئے طاقت کی بھی کوئی شرط شریعت نے لگائی ہے۔ غربت یا فوجوں کی کمی تو جہاد کے موانع میں شامل ہی نہیں۔

کیا عراق جزیرۃ العرب میں داخل ہے؟

دوسرا سوال کہ جزیرۃ العرب سے کیا مراد ہے اسکی خواہ کوئی تعریف جغرافیہ والے کریں صحابہ کے طریق عمل سے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عراق کو انھوں نے جزیرۃ العرب میں شامل نہیں کیا کیونکہ صحابہ کے زمانہ میں جبکہ اہل عرب سے کفار کو نکال دیا گیا تھا عراق سے کفار کو نہیں نکالا گیا بلکہ کوفہ میں اور اسکے گرد و نواح میں کثرت سے مسیحی رہتے تھے بلکہ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے نجران کے مسیحیوں کو وہاں سے جلاوطن کر کے شام اور عراق میں آباد کر دیا تھا اور وہاں انکو جائدادیں دے دی تھیں اب اگر عراق بھی عرب میں شامل ہوتا۔ تو کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت عمر رض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرنیکے لیئے مسیحیوں کو نجران سے تو نکالتے اور اسقدر تعہد کرنیکے بعد پھر ان کو عراق میں اگر وہ عرب کا حصہ ہے لا کر آباد کر دیتے۔ جغرافیہ کے لحاظ سے یا طبعی لحاظ سے عرب کی حدود خواہ کوئی ہوں مگر صحابہ نے عرب کے جو معنے سمجھے ہیں وہ خود حضرت عمر رض کے قول اور فعل سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے پورا کرنیوالے ہیں خوب کھلتے ہیں طبری سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رض نے یعلی بن امیہ کو جنہیں انھوں نے اس غرض سے نجران بھیجا تھا کہ وہاں کے مسیحیوں کو جلاوطن کریں یہ حکم دیا تھا کہ انکو بتا دینا کہ ہم انکو خدا اور رسول کے حکم کے ماتحت جلاوطن کرتے ہیں کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "جزیرۂ عرب میں دو دین نہ رکھے جاویں" ان لوگوں کو جلاوطن کر کے کہاں بھیجا اسکے متعلق فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رض نے ان لوگوں کو یہ خط لکھ کر دیا کہ "اہل شام اور اہل عراق میں سے جنکے پاس یہ خط پہنچے انکو چاہیئے کہ انکو زمین برائے کاشت اچھی طرح سے دیں۔ اور جس زمین کو یہ آباد کریں وہ انکی یمن کی زمین کے بدلہ میں انہی کی ہو جاویگی" شاید کہا جائے کہ عراق سے مراد عراق عجم ہوگا لیکن جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ان لوگوں کو کوفہ کے پاس زمینیں ملی تھیں اور وہاں انھوں نے نجران کی یادگار میں نجرانیہ نام ایک قصبہ بھی آباد کیا تھا اب سوچو کہ حضرت عمر رض کے نزدیک عراق اگر عرب میں شامل ہوتا یا صحابہ میں سے کسی کے خیال میں بھی یہ بات ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہ مسیحیوں کو اس علاقہ میں جائدادیں دیتے؟

لفظ جزیرہ کے مفہوم پر بحث۔

عراق کے عرب میں شامل ہونے کی یہ دلیل دی جاتی ہے۔ کہ عرب جزیرہ کہلاتا ہے اور جبتک دجلہ اور فرات تک کے علاقہ اس کے اندر شامل نہ کیئے جاویں۔ اس کی حیثیت جزیرہ کی نہیں بنتی۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے چاروں طرف پانی نہیں رہتا ؛

لیکن یہ دلیل درست نہیں۔ کیونکہ عرب لوگ ان ممالک کو بھی جزیرہ کہتے ہیں جن کے زیادہ حصہ کے گرد پانی ہو۔ اور کم حصہ خشکی کے ساتھ ملتا ہو۔ چنانچہ جس نے تاریخ کا ذرہ بھی مطالعہ کیا ہو وہ جانتا ہے۔ کہ عرب لوگ سپین کو بھی جزیرہ کہتے تھے۔ اور اس کو جزیرۂ اندلس کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ حالانکہ ایک جہت سپین کی فرانس سے ملی ہوئی ہے۔ لسان العرب اور تاج العروس کے مصنف اس کے مادہ کے نیچے لکھتے ہیں۔ کہ والاندلس جزیرۃ معروفۃ۔ یعنی اندلس (سپین) ایک مشہور جزیرہ ہے۔ پس جزیرۂ عرب کے لفظ سے یہ استدلال کرنا کہ اس کے اردگرد پانی کا ہونا ضروری ہے ایک غلطی ہے ؛

اس بحث سے ہمارا یہ مدعا نہیں کہ عراق پر ضرور انگریزوں کا قبضہ رہنا چاہیئے

میرا اس تمام تحریر سے یہ مطلب نہیں۔ کہ چونکہ عراق عرب میں شامل نہیں یا اس کی شمولیت مشتبہ ہے اور خود حضرت عمرؓ نے اس کو عملاً شامل نہیں کیا۔ اس لئے عراق پر انگریزوں کو قبضہ کر لینا چاہیئے یا یہ کہ عرب کے اندرونی علاقہ میں انگریزوں کو شوق سے داخل ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ میں ان کے اس فعل کو سختی سے ناپسند کرتا ہوں اور عراق تو کیا میں تو چاہتا ہوں کہ وہ اپنے پرانے مقبوضہ علاقہ عدن سے بھی واپس آ جاویں۔ تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن مجھے صرف اسی پر اعتراض ہے۔ کہ ان باتوں کو مذہب کے عظیم الشان احکام بتا کر دنیا کے بگڑے ہوئے امن کو اور نہ بگاڑا جاوے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو نہ توڑا جاوے اور عوام الناس کو جو حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جوش دلا کر انکی ہلاکت اور اسلام کی بدنامی کے سامان نہ پیدا کیئے جاویں۔ ورنہ مجھے تو اس قدر بھی پسند نہیں۔ جس کی اجازت ترکی حکومت نے دے رکھی ہے۔

اور میں تو یہی کہوں گا۔ کہ اگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پھر طاقت دے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ادب اور احترام کے طور پر۔ یمن اور دوسرے عرب علاقوں میں بسنے والے غیر مذاہب کے پیرووں کو دوسرے ممالک میں خواہ ان کی موجودہ جائدادوں سے بہت زیادہ قیمتی جائدادیں کیوں نہ دینی پڑیں۔ مگر محبت اور پیار سے سمجھا کر ان کو عرب کے علاقہ سے بالکل ہی رخصت کر دیا جائے۔ لیکن میں اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔ کہ جس بات پر صحابہؓ کے زمانہ سے اسوقت تک کبھی بھی عالم اسلام نے اس قدر زور نہیں دیا۔ اس کو اسوقت ایسا اہم مسئلہ بنا دیا جائے کہ اس کا لحاظ نہ ہونے پر جہاد اور ترک موالات کی تعلیم دینی شروع کر دیجائے۔ اور مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت کے گڑھے میں گرایا جائے۔ یقیناً جو جہاد خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہو وہ خواہ کیسی ہی کمزوری کی حالت میں ہو بد نتائج نہیں پیدا کر سکتا۔ لیکن جو لڑائی کہ جہاد کے نام سے کی جائے یا جو جدوجہد کہ دین کی آڑ میں کی جائے۔ حالانکہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو یقیناً وہ سخت ناکام ہو کر رہیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ کہ اس کے بھیجے ہوئے دین کو اس طرح بچوں کا کھیل بنایا جائے ؛

ترکِ موالات ازروئے شریعت اس وقت نہ صرف فرض یا واجب نہیں بلکہ جائز ہی نہیں

یہ بتا چکنے کے بعد کہ ترکِ موالات فرض اور واجب نہیں ہے۔ میں نہایت ہی مختصر طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ موجودہ حالات میں شریعت اس کو جائز بھی نہیں قرار دیتی ؛

اسوقت ترکِ موالات۔ ازروئے قرآن کریم موجبِ فساد کبیر ہے

۱۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انّ الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اولٰئک بعضھم اولیاء بعض والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیءٍ حتّٰی یھاجروا وان استنصروکم فی الدّین

فعلیکم النصر الا علیٰ قوم بینکم و بینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر۔ والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض ۔ الّا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ (انفال ع ۱۰) یعنی ضرور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے کہ جگہ دی۔ اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ اور جو لوگ کہ ایمان لائے۔ اور انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ تم پر ان کی کسی قسم کی مدد کرنا فرض نہیں۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین کے متعلق مدد مانگیں تو تم پر انکی مدد فرض ہو گی۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ اس قوم کے خلاف مدد مانگیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر تم ایسا ہی نہ کرو گے۔ جیسا کہ ہم نے تمہیں بتایا ہے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جاویگا اور بہت فساد ہو گا۔"

اس آیت کے مضمون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں:-

(۱) مومنوں کو چاہیئے کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں:

(۲) جو لوگ مسلمان ہوں۔ لیکن ان علاقوں میں رہتے ہوں جن پر کفار قابض ہیں۔ وہ جبتک ہجرت نہ کریں انکی مدد کرنی مسلمانوں کے لیئے فرض نہیں:

(۳) ہاں اگر ان پر دین کے معاملہ میں ظلم ہوتا ہو۔ تو انکی مدد کرنی فرض ہے:

(۴) بشرطیکہ یہ مدد اس قوم کے خلاف نہ ہو۔ جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو:

(۵) کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں:

(۶) اگر تم ان تمام پچھلے احکام کو تسلیم نہ کرو گے۔ تو دنیا میں فتنہ پڑ جاویگا۔

اب ان چھوٹی باتوں کو دیکھو۔ کہ کس طرح یہ اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں کہ گو مسلمانوں پر ایک دوسرے کی مدد کرنی واجب ہے لیکن اس قوم کے خلاف جس سے ایک مسلمان

جماعت کا معاہدہ ہو۔ دوسرے مسلمانوں کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ حتیٰ کہ اگر دین کا معاملہ بھی ہو۔ تب بھی ان کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ فساد پڑ جاویگا ؛

اس آیت کا فیصلہ انگریزوں سے ہمارے ترکِ موالات کے متعلق

اب دیکھو کہ انگریزوں کے ساتھ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کا اور کوئی بھی تعلق نہ ہو تو بھی انکے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہے۔ اور وہ معاہدہ یہ ہے کہ وہ انکی تمام کاموں میں جو حکومت کے متعلق ہیں مدد کرینگے۔ یہ معاہدہ تحریر میں نہیں ہے۔ لیکن ہر ایک قوم جو کسی حکومت کے ماتحت رہتی ہے۔ وہ اس معاہدہ کی پابند سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان علماء جو اولی الامر منکم کی آیت سے انگریزوں کی فرمانبرداری کا حکم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ انکی اطاعت کی بھی دلیل دیتے ہیں۔ کہ ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے۔ پس جب ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا۔ تو قرآن کریم کی آیت مذکورہ بالا کے احکام کے مطابق ان کے خلاف کسی مسلمان جماعت کی بھی مدد نہیں کی جا سکتی۔ حتیٰ کہ مذہبی امور میں بھی ان کے خلاف دوسرے مسلمانوں کی مدد نہیں کی جا سکتی۔ اور صرف ایک ہی طریق انکی مدد کا ہے۔ کہ اس علاقہ کو چھوڑ کر پہلے اُس معاہدہ سے جسکے ہم برطانوی حکومت کے مقبوضہ ملک میں رہنے کی وجہ سے پابند ہیں آزادی حاصل کیجائے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں فساد پڑ جائیگا ؛

اِلّاَ تفعلوہ کی ضمیر غائب کا مرجع

شاید کسی شخص کو یہ خیال گذرے کہ اِلّاَ تفعلوہ سے یہ مراد نہیں۔ کہ اگر پچھلی آیت کے تمام احکام پر عمل نہ کرو گے تو فتنہ ہوگا بلکہ تفعلوہ کی ضمیر صرف والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض ؕ کے مضمون کی طرف جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اوّل تو لفظوں کے لحاظ سے والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض میں کوئی ایسی بات نہیں جسکی نسبت یہ کہا جائے کہ اگر تم یوں نہ کرو گے تو فساد ہوگا۔ بلکہ کفار کا حال بیان کیا ہے کہ وہ فلاں کام کرتے ہیں ؛

دوسرے مفسرین بھی یہی لکھتے ہیں کہ اِلّاَ تفعلوہ کی ضمیر پچھلی آیت کے

سارے مضمون کی طرف جاتی ہے۔ چنانچہ فتح البیان میں ہے والضمیر یرجع الی ما اُمروا به قبل ھٰذا من موالاۃ المؤمنین ومناصرتھم علی التفصیل المذکور وترک موالاۃ الکافرین۔ یعنی یہ ضمیر ان احکام کی طرف لوٹتی ہے۔ جو اس سے پہلے بیان ہوئے۔ مومنوں کی دوستی اور انکی مدد کے متعلق اسی تفصیل کے مطابق جو آیت میں بیان ہو چکی ہے (یعنی معاہدین کفار کے خلاف مسلمانوں کی مدد نہ کرو) اور کفار سے دوستی ترک کرنیکے متعلق ؛

غرض اس آیت سے ثابت ہے۔ کہ جس قوم سے معاہدہ ہو۔ اسکے خلاف مسلمانوں کا بھی مدد کرنا خواہ دینی امور پر ہی جھگڑا کیوں نہ ہو۔ جائز نہیں۔ اور ایسا کرنا موجب فساد ہوگا۔ اب دیکھو کہ انگریزی حکومت سے ترکِ موالات کا حکم دیکر مسلمانوں نے اس حکم کو توڑا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا نتیجہ جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے فساد ہوا ہے یا نہیں؟ ؛

اسلام نے حقوق اولی الامر کو قائم کیا ہے

۲۔ جس شخص نے اسلام کا ذرا تامّل سے بھی مطالعہ کیا ہو وہ اس بات کو خوب جانتا ہے۔ کہ اسلام نہایت امن پسند مذہب ہے۔ اس کا نام اسلام ہی بتا رہا ہے کہ وہ صلح اور آشتی کو لیکر دنیا میں آیا ہے۔ اسکے تمام احکام میں قیام امن کا اصل روشن نظر آتا ہے۔ اسکے اصول اور اس کے فروع تمام کے تمام اساسِ تمدن کے مضبوط کرنیوالے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ حقیقی طور پر تمدن کی اساس اسلام نے ہی آکر رکھی ہے اس سے پہلے تمدن کی عمارت بالکل زمین پر رکھی تھی اور ذرہ ذرہ سے صدمہ سے منہدم ہو جاتی تھی۔ اسی نے تمدن پر تفصیلی نظر ڈالی ہے۔ اور اسی نے اسکو اقسام میں منقسم کیا ہے۔ اور اسی نے مختلف عمّال تمدن کے اعمال کے مدارج قائم کیئے ہیں اور انکے حقوق مقرر کیئے ہیں۔ ایسے مذہب کی نسبت ہرگز امید نہیں کی جا سکتی۔ کہ وہ رعایا اور بادشاہ کے حقوق پر توجہ نہ ڈالیگا۔ اور واقعہ یہی ہے۔ کہ اس نے اس تعلق کو نہایت مضبوط چٹان پر قائم کیا ہے قرآن کریم ولاۃ الامر کے احکام کی اتباع کا پُرزور الفاظ میں حکم دیتا ہے اور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (نساء ع) کہکر حکومتوں کے حقوق کو قائم کرتا ہے ؛

کیا اولی الامر منکم سے مراد صرف مسلمان حکام ہیں؟

بعض مسلمان غلطی سے اس آیت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم صرف مسلمان حکام کے حق میں ہے۔ کہ انکی اطاعت کی جاوے۔ لیکن یہ بات غلط ہے۔ اور قرآن کریم کے اصول کے خلاف ہے۔ بے شک اسجگہ لفظ منکم کا پایا جاتا ہے۔ مگر منکم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو تمہارے ہم مذہب ہوں بلکہ اس کے یہی معنی ہیں کہ جو تم میں بطور حاکم مقرر ہوں۔ منْ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کفار کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ الم یاتکم رسل منکم اس آیت میں منکم کے معنی اگر ہم مذہب کریں تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ نعوذ باللہ من ذٰلک رسول کفار کے ہم مذہب تھے۔ پس ضروری نہیں کہ منکم کے معنی ہم مذہب ہوں یہ اور معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اسجگہ اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ وہ حاکم جو تمہارے ملک کے ہوں انکی اطاعت کرو یعنی یہ نہیں کہ جو حاکم ہو اسکی اطاعت کرو۔ بلکہ جو تمہارا حاکم ہو اسکی اطاعت کرو۔ اور فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللّٰہ و الرسول کے یہ معنی نہیں کہ قرآن و حدیث کے رو سے فیصلہ کر لو بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ اگر حکام کے ساتھ تنازع ہو جائے تو خدا اور اسکے رسول کے احکام کی طرف اسکو لوٹا دو۔ اور وہ حکم یہی ہے۔ کہ انسان حکومت وقت کو اسکی غلطی پر آگاہ کر دے۔ اگر وہ نہ مانے تو پھر اللہ تعالیٰ پر معاملہ کو چھوڑ دے وہ خود فیصلہ کرے گا اور ظالم کو اس کے کردار کی سزا دیگا *

غیر مذہب کے اولی الامر کا ثبوت قرآن کریم سے

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ جس طرح بیان ہوا ہے وہ بھی دلالت کرتا ہے۔ کہ حاکم خواہ کسی مذہب کا ہو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ بلکہ اگر اسکے احکام ایسے شرعی احکام سے مخالف بھی پڑ جاویں جن کا بجالانا حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔ تب بھی اس کی اطاعت کرے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جب ان کے بھائی انکے پاس چھوٹے بھائی کو لائے۔ تو وہ انکو وہاں کے بادشاہ کے قوانین کے رو سے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے اسلئے خدا تعالیٰ نے انکے لیئے خود ایک تدبیر کر دی چنانچہ فرماتا ہے کذٰلک کدنا لیوسف ما کان لیأخذ اخاہ فی دین الملک الا ان یشاء اللّٰہ (یوسف ع۹) یعنی اسی طرح ہم نے

تدبیر کی کیونکہ وہ بادشاہ کے قوانین کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے ہاں مگر اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ ایسا ہی چاہتا" فتح البیان میں ہے کہ بادشاہ مصر کا قانون اور تھا اور اس کی شریعت اور تھی پس خدا تعالیٰ نے الہاماً یوسف کے بھائیوں کے منہ سے نکلوا دیا کہ جو چور ثابت ہو اسی کو غلام بنا کر رکھ لینا۔ اسی طرح اجعلنی علی خزائن الارض کے نیچے لکھا ہے کہ قد استدل بھذہ علی ان یجوز تولی الاعمال من جھۃ السلطان الجائر بل الکافر لمن وثق من نفسہ بالقیام بالحق۔ یعنی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ ظالم بلکہ کافر بادشاہ کی طرف سے عہدوں کا قبول کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو اپنی جان پر اعتبار رکھتا ہے کہ وہ حق کو قائم رکھ سکیگا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ حق کے قیام سے یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی شریعت کو چلا سکے کیونکہ جیسا کہ حضرت یوسف کے بھائی کے معاملہ سے ظاہر ہے۔ کافر کی ملازمت کے لیئے یہ شرط نہیں کہ مومن اپنا ذاتی خیال چلا سکے پس حق کی حفاظت سے یہی مراد ہے کہ ظلم کی باتوں میں ساتھ شامل نہ ہو جائے +

پس حضرت یوسفؑ کے معاملہ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ خواہ گورنمنٹ کافر ہی کیوں نہ ہو اسکی وفاداری ضروری ہے +

حکومت کی اطاعت کا حکم احادیث کے رو سے

جب ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کو دیکھتے ہیں تو وہاں بھی حکومت کی اطاعت کا خاص حکم پاتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔ علیک السمع والطاعۃ فی عسرک ویسرک ومنشطک ومکرھک واثرۃ علیک۔ یعنی تم پر واجب ہے حکم ماننا اور اطاعت کرنی تنگی میں کشائش میں اور خوشی میں اور ناراضگی میں۔ اور اسوقت بھی جب تمہارے حقوق تلف کیئے جاتے ہوں" اسی طرح روایت کیا جاتا ہے۔ کہ آپ سے صحابہؓ نے دریافت کیا۔ کہ یا نبی اللہ ارأیت ان قامت علینا امراء یسالونا حقھم ویمنعونا حقنا فما تامرنا فاعرض عنہ ثم سألہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا فانما علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم۔ یعنی اے نبی اللہ بتائیے تو سہی کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو اپنے حق تو لیلیں اور جو ہمارے حقوق ہیں وہ نہ دیں تو ہم کیا کریں آپ نے پہلے تو اسکے سوال کا جواب نہ دیا۔ لیکن جب اس نے دوبارہ دریافت کیا تو فرمایا۔ ان کی باتیں سنو اور انکی اطاعت

کرو۔ کیونکہ وہ اپنے کیئے کی جزا پائینگے۔ تم اپنے کیئے کی جزا پاؤ گے۔ ان احادیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں۔ کہ جس کا یہ مطلب ہو۔ کہ صرف مسلمان حاکم کی اطاعت کرو اور دوسرے کی نہ کرو کوئی شخص کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ کہ وہ کسی خاص ملک یا خاص بادشاہ کے ماتحت رہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خود ایک ملک کو چنتا ہے تو اس کا فرض ہے۔ کہ پھر اس ملک کے آئین کی اطاعت کرے۔ اور حکومت کے خلاف مقابلہ کے لیئے نہ کھڑا ہو جائے ۔

کیا ترکِ موالات مقابلہ نہیں

شاید بعض لوگ کہدیں کہ ترکِ موالات تو مقابلہ نہیں۔ لیکن ان کو یاد رہے۔ کہ ترکِ موالات کے حامی اس بات پر خاص طور پر زور دے رہے ہیں۔ کہ یہ ہتھیار گورنمنٹ کو نقصان پہنچانیکے لئے ہے۔ پس انکے اپنے اقوال کے مطابق یہ حملہ ہے۔ کیونکہ حملہ اسے ہی نہیں کہتے۔ کہ جس میں تلوار اٹھائی جائے۔ ہر ایک کام جس سے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچایا جائے وہ حملہ ہے۔ اور ہمیشہ ایسا کام جب ایسے لوگوں کے خلاف استعمال کیا جائے جن کے ساتھ اشتراک ہونا جائز ہے۔ انہی لوگوں کے خلاف یہ ذریعہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جن کے ساتھ جنگ ہو۔ اور اسلام نہ صرف یہ کہ حکومت کے خلاف جنگ کرنے سے روکتا ہے۔ بلکہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا جو شخص خواہ کسی ذریعہ سے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانیکی فکر میں ہو وہ اس کا مطیع کہلا سکتا ہے؟

قرآن کریم فتنہ وفساد کی راہوں سے روکتا ہے

۱۳ - اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا یعنی زمین میں جب امن قائم ہو جائے تو اسے برباد کرنیکی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اسی طرح فرماتا ہے کہ الفتنۃ اشد من القتل۔ فتنہ قتل سے بھی زیادہ جرم ہے۔ اور زیادہ نقصان رساں ہے ۔

انگریزوں کے آنے سے امن حاصل ہوا ہے یا نہیں؟

ترک موالات کے بانی سوچیں کہ کیا انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے اسی قسم کا امن تھا جیسا کہ آجکل ہے۔ کیا مذہب کی اس قسم کی آزادی تھی۔ جانیں اسی طرح محفوظ تھیں۔ بلکہ کیا قومی روح اسی طرح زندہ تھی جس طرح کہ آجکل زندہ ہے۔ لوگ سوال کرتے ہیں۔ کہ انکے یہاں آنیکا کیا فائدہ ہوا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ تم آزادی اور حریت کے معنوں سے آشنا

ہو گئے ہو۔ جن کو قریبًا ایک صدی کی تباہیوں کے عرصہ میں تم بھول گئے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے کوئی اس مضمون سے آگاہ نہ تھا۔ مگر اسمیں کیا شبہ ہے کہ بہت کم لوگ ان الفاظ سے آگاہ تھے۔ اور جو لوگ آگاہ تھے وہ وہی تھے جنکو انگریزوں کے اس ملک پر قابض ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ حکومت میں دخل تھا۔ آج لوگ جلیانوالہ باغ کے واقعہ پر شور مچاتے ہیں حالانکہ ان کے آنے سے پہلے بلا وجہ لوگ مارے جاتے تھے اور کوئی نہ پوچھتا تھا۔ پنجاب میں اذان دینا جرم تھا۔ مسجدیں ویران تھیں۔ بلکہ اصطبل بنائی گئی تھیں۔ عربی کے الفاظ استعمال کرنے پر ہی لوگوں کو مار دیا جاتا تھا۔ چوری۔ قتل۔ ڈاکہ۔ فساد اسقدر پھیلا ہوا تھا۔ کہ الامان۔ یہی وجہ تھی کہ پرانے لوگ انگریزی حکومت کے زیادہ مدّاح تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب باتیں دیکھی تھیں اور ان کے اثر ابھی انکے دلوں پر سے مٹے نہ تھے۔ پس اس امن کے بعد جو ان کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ نے قائم کیا ہے۔ بلکہ اس اتحاد کے بعد جو ان کے ذریعہ قائم ہوا ہے فساد نہیں پھیلانا چاہیئے ؎

لوگ یہ بات نہیں دیکھتے کہ انہی کے زمانہ میں ہندوستان نے ایک ملک کی حیثیت پکڑی ہے۔ اس سے پہلے یہ کئی ملکوں کا مجموعہ تھا۔ میں اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ کہ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنی بدیاں بھی لائے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی ان سے ہندوستان کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ جاپان کی مثال کو جانے دو کہ اسکی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ دوسرے ممالک کو دیکھو۔ کہ وہ ابھی تک ہندوستان سے بھی پیچھے ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ اگر یہ نہ آتے تو ہم خود یورپ کے علوم کو حاصل کر لیتے۔ جاپان کے سوا کس ایشیائی ملک نے اپنے طور پر جدید علوم کو حاصل کیا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے۔ یقینًا جاپان کے بعد ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جو علوم جدیدہ کا حامل کہلا سکتا ہے۔ اگر یہ درست ہو تا کہ انکے آنے سے ہمیں نقصان پہنچا ہے تو یقینًا وہ علاقے جنہیں ان کا دخل بعد میں ہوا ہے۔ تعلیم اور سیاسی قابلیت میں دوسرے ممالک سے بڑھے ہوئے ہوتے۔

بنگال میں حکومت برطانیہ دو سو سال کے قریب سے قائم ہے۔ اسیطرح مدراس اور بمبئی میں ان کا دخل پرانا ہے اور یو۔پی۔ میں اسکے بعد اور پنجاب میں تو کل ستر اسی سال سے ان کا تصرف ہوا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو چاہیئے تھا۔ کہ سیاسی اور علمی قابلیت میں پنجاب سب سے زیادہ ہوتا۔ پھر یو۔پی۔ اور پھر بنگال اور مدراس اور بمبئی۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ان ممالک کے لوگوں کی قابلیت جن پر انکا دیرینہ قبضہ ہے۔ ان ممالک کے لوگوں کی قابلیت سے جن پر انکا بعد میں قبضہ ہوا ہے بہت بڑھی ہوئی ہے اور انہیں سیاست کے سمجھنے اور علوم سے عملی صورتیں فائدہ اٹھانے کی اہلیت بہت زیادہ پیدا ہو گئی ہے حالانکہ اگر انکا اثر ایک زہر ہے تو اسوقت تک انکو بالکل جاہل ہو جانا چاہیئے تھا۔

انگریزوں کا انتظام نقائص سے پاک نہیں مگر انکا فائدہ ان کے نقصان پر غلبہ رکھتا ہے

میرا مطلب اس تحریر سے یہ نہیں کہ انکے انتظام اور ان کی تعلیم میں نقص نہیں ہیں اسمیں بہت سے نقص دیکھتا ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ ہمیں غصہ میں آکر انکی خوبیوں سے آنکھیں نہیں بند کرنی چاہئیں اور انکی آمد سے واقعی جو ہمیں فائدہ ہوا ہے اور ان کے ذریعہ سے جو امن ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

غرض انگریزوں کے آنے سے ہندوستان کو بہت امن ملا ہے۔ اور گو یہ بھی بہت سی غلطیاں کرتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی انکا وجود بہت نفع دہ ثابت ہوا ہے۔ اور اگر اسے بھی تسلیم کیا جائے تو اسمیں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے یہاں ایک منتظم حکومت قائم کر لی ہے اور ہندوستان کے ان سینکڑوں حصوں کو جو پہلے بالکل علیحدہ علیحدہ تھے۔ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ پس اس امن کو جو انہوں نے قائم کیا ہے۔ اور اس اتحاد کو جو انکے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے انکی سلطنت کو کمزور کر کے توڑنا نہیں چاہیئے کیونکہ علاوہ ہمارے دنیاوی نقصان کے اسمیں شریعت کے احکام کی بھی خلاف ورزی ہے اور قرآن کریم کی صریح تعلیم کا انکار ہے۔

کیا ترک موالات موجب فساد نہیں؟

شائد اسجگہ یہ کہا جائے کہ ہم تو فساد نہیں کرتے لیکن یہ بات درست نہیں۔ ترک موالات کا آخری نتیجہ ضرور فساد ہے۔ اور ابھی سے فساد شروع ہے۔ علیگڑھ اور لاہور کے اسلامیہ کالجوں میں جو کچھ ہوا ہے وہ راز نہیں کہلا سکتا۔ ہر ایک شخص کی زبان پر ان دونو کالجوں کے واقعات ہیں۔ اور ابھی تو ابتدا ہے۔ یہ فساد روز بروز اور ترقی کریگا۔ اور اگر اس تحریک کو ترک نہ کردیا گیا۔ تو مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو بھی خاک میں ملا دیگا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ کہ عوام الناس کو کہا جائے کہ گورنمنٹ اب اس حد تک گرگئی ہے کہ اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں اور پھر وہ فساد سے باز رہیں۔ جب لوگوں کو یہ کہا جائیگا تو وہ گورنمنٹ سے دشمنیوں والا سلوک بھی کرینگے۔ ایک ملک اور ایک جگہ رہ کر اور روزمرہ کے تعلقات کی موجودگی میں سوائے خاص حالات کے ایسی تحریک کبھی امن کے ساتھ نہیں کی جا سکتی ؛

محبت و ہمدردی اور ترک موالات

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کل مذاہب محبت اور ہمدردی کی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں۔ اور جسقدر محبت کام کر سکتی ہے اور کوئی حربہ کام نہیں کر سکتا۔ اسلام تو محبت اور مروت کی تعلیم سے پُر ہے۔ پس ایسی تعلیم دینی جو مروت کو قطع کرنیوالی اور مواسات کو جڑھ سے اکھاڑ کر پھینک دینے والی ہے۔ مذہبًا درست نہیں ہو سکتی۔ آخر قرآن کریم کے سکھائے ہوئے اخلاق کس دن کیلئے ہیں۔ ایک ملک میں رہ کر وہاں کی حکومت کی بیخ اکھاڑ کر پھینکنے کی کوشش اور عداوت اور بغض کا بیج بونا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالٰے قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حم سجدہ ع ۵) یعنے نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے تو بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کر۔ پس اچانک دیکھیگا۔ کہ وہ شخص جس کے اور تیرے درمیان عداوۃ تھی تیرا گہرا دوست بنگیا ہے " غرض محبت کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے اور کینہ اور غضب مذموم عادات میں سے ہیں۔ مسلمان کو صاحب وقار ہونا

حکم ہے اور محبت کی اسے تعلیم دیگئی ہے۔ جو شخص اس تعلیم پر عمل نہیں کرتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی ہدایت کا مستحق نہیں۔ پس ایسا نہو کہ لوگونکو حق کیطرف رہنمائی کرنے والے خود ہی فتنہ میں پڑجاویں۔ بیشک کبھی سزا بھی ضروری ہوتی ہے۔ مگر حکام کے مقابلہ میں نرمی کا ہی حکم ہے۔ کیونکہ جو شخص انکے مقابلہ کی جرأت پیدا کرتا ہے۔ وہ ملک کے امن کو تباہ کرتا ہے۔ اگر انکی کوئی بات ناپسند ہو۔ اور وہ سمجھانے سے بھی نہ مانیں اور وہ بات نظرانداز کرنے کے قابل نہ ہو۔ تو ایسے وقت میں وہی حکم ہے جو اوپر گذر چکا۔ کہ اس ملک کو چھوڑ کر چلا جاوے۔

قرآن کریم نے صرف دو قسم کی ترک موالات کا حکم دیا ہے جن میں سے کوئی بھی انگریزوں پر عائد نہیں ہوتی

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم نے مخالفین سے ق دو قسم کی ترک موالات کا حکم دیا ہے ایک وہ ترک موالات ہے جو افراد افراد سے کرتے ہیں اور ایک وہ جو قوم قوم سے کرتی ہے۔ جو ترک موالات کہ افراد کے متعلق ہے اسکا موقعہ استعمال تب ہوتا ہے جب کوئی شخص دین اسلام سے تضحیک کرے۔ اور بجائے تحقیق حق کے اسپر ہنسی اڑائے۔ ایسے شخص کے ساتھ مسلمانونکو اٹھنا بیٹھنا اور دوستانہ تعلق رکھنے منع ہیں اور اگر وہ باز نہ آوے تو یہ سمجھا جاویگا۔ کہ وہ بھی انہی کے سے خیالات رکھتا ہے۔

دوسری قسم ترک موالات جو قوم قوم سے کرتی ہے اسکا موقعہ استعمال تب ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم مسلمانوں سے مذہبی جنگ چھیڑے اور جبراً ان سے انکا مذہب چھڑوائے۔ اس وقت مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے کہ اس قوم کے لوگوں سے دوستی۔ محبت اور معاملات کے تعلق چھوڑدیں۔ اور اگر بعض مسلمان خود ایسے کفار کے ملک میں رہتے ہوں تو پھر ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس ملک سے ہجرت کر جاویں۔ اور دوسرے بھائیوں سے ملکر جہاد کریں۔ اور اپنے بھائیونکی طرح ان کفار سے قطع تعلق کریں ورنہ وہ بھی کفار ہی سمجھے جاوینگے اور اگر اسی حالت میں مرگئے تو جہنم میں جاوینگے۔ یہ اللہ نے کہیں نہیں فرمایا۔ کہ ایسے موقعہ پر وہ اسی ملک میں رہکر ترک موالات کر سکتے ہیں۔ فساد کو

شریعت ناپسند کرتی ہے اور اپنے دشمن کے ملک میں بھی فساد پھیلانیکی اسلام اجازت نہیں دیتا غرض یہ دو حکم ترک موالات کے متعلق ہیں۔ اور یہ دونو حکم انگریزوں پر چسپاں نہیں ہوتے اور ان حکموں کا ان پر چسپاں کرنا گویا قرآن کریم کے احکام کو مروڑنا ہے جو ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص خیال کرتا ہے کہ واقعہ میں بہ حیثیت قوم ان کے متعلق ترک موالات کا فتویٰ لگانا اسلام کے مطابق ہے تو پھر اسکا یہ بھی فرض ہے کہ وہ انکے ملک سے ہجرت کرے اور ان کے خلاف مسلمانوں سے ملکر جہاد کرے۔

ایک تیسری قسم کی ترک موالات

ان دو قسم کی ترک موالات کے سوا ایک اور قسم بھی ترک موالات کی ہے لیکن وہ حکومت کے خلاف استعمال نہیں کیجا سکتی بلکہ حکومت اسکا حکم دیتی ہے اور وہ ترک موالات وہ ہے جس کا حکم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابیوں رض کے متعلق دیا تھا جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔

واقعہ مخلفین رض

ان کا واقعہ مختصر یوں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ سب ساتھ چلیں۔ مسلمان تو سب تیار ہوگئے۔ منافقین پیچھے رہ گئے لیکن بعض غلطیوں کی وجہ سے تین مسلمان بھی ساتھ جانے سے رہ گئے۔ انہیں سے ایک کعب بن مالک رض اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے پاس اسوقت سامان تو سب تھا مگر پھلوں اور سایوں کا زمانہ تھا۔ اور میں ان کا بڑا شایق تھا میں نے کہا کہ میں عین وقت پر انتظام کرلونگا۔ آخر وقت آگیا۔ آپ چلے گئے۔ اور میں رہ گیا۔ مگر پھر بھی میں نے سوچا کہ بعد میں جا ملونگا۔ مگر یہ بھی نہ ہوسکا۔ جب آپ واپس تشریف لائے۔ منافقوں نے تو جا کر عذر کر دیئے۔ میں نے جو سچ بات تھی کہہ دی۔ آپ نے ان کے لئے تو دعا کر دی۔ اور میری نسبت فرما دیا۔ کہ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ اس کے بعد لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کوئی بات بنا کر معافی مانگ لوں۔ مگر مجھے معلوم ہوا۔ کہ دو اور شخصوں کو بھی یہی حکم ملا ہے۔ اور یہ دونو مجھے معلوم تھا کہ مخلص مسلمان تھے۔ اسلیئے میں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ آخر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں سے کلام کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ باقی دو تو گھروں میں بیٹھ رہے۔ مگر میں زیادہ بہادر تھا میں

نماز مسجد میں جاکر پڑھتا تھا۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بار بار جاکر سلام کہہ کے دیکھتا کہ آپ کے ہونٹ جواب کے لئے ہلتے ہیں یا نہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ جب میری آنکھیں آپ کی طرف ہوتیں تو آپ میری طرف نگاہ نہ ڈالتے۔ لیکن جب میری نگاہ دوسری طرف ہوتی تو آپ میری طرف دیکھتے۔ آخر ایک دن تنگ آکر اپنے بھائی اور دوست قتادہ کے پاس گیا۔ اور ان سے کہا کہ کیا آپ جانتے نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے سچی محبت رکھتا ہوں۔ انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے پھر کہا۔ اور قسم دی۔ مگر پھر جواب نہ دیا۔ میں نے پھر کہا اور قسم دی۔ مگر پھر بھی جواب نہ دیا۔ آخر مجھے مخاطب کئے بغیر یہ کہا۔ کہ اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اسپر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور میں وہاں سے افسردگی میں واپس آیا۔ بازار پہنچا۔ تو ایک شخص میرا پتہ پوچھتا ہوا آیا اور ایک خط مجھے دیا جو بادشاہ غسان کی طرف سے تھا اور اسکا مضمون یہ تھا۔ کہ تو کوئی ذلیل آدمی نہ تھا۔ مگر تجھ سے بہت برا سلوک ہوا ہے۔ تو ہمارے پاس آجا۔ ہم تجھے بہت عزت دینگے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ یہ بھی ابتلا ہے۔ اور اس خط کو تنور میں ڈالکر جلا دیا۔ جب چالیس دن گذر گئے۔ تو ایک شخص نے آکر مجھ سے کہا کہ رسول کریم صلعم کا حکم ہے۔ کہ اپنی بیبیوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے دریافت کیا طلاق دیدوں یا علیحدہ رہوں۔ اس نے کہا۔ نہیں علیحدہ رہ۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیجدیا۔ میرے دوسرے ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم ملا تھا۔ انمیں سے ہلال ابن امیہ نہایت ضعیف ہو رہے تھے۔ ان کی بیوی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اسکا تو کوئی نوکر بھی نہیں۔ کیا آپ اسکو ناپسند کرتے ہیں کہ میں اسکی خدمت کردیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ میرا یہ حکم نہیں کہ تو خدمت نہ کرے۔ بلکہ صرف یہ حکم ہے کہ وہ تیرے قریب نہ جایا کرے اس کے بعد جب پچاس راتیں گذر گئیں تو خدا تعالے کا حکم نازل ہوا اور ہمیں معاف کردیا گیا۔

یہ حدیث احترام حکومت کے متعلق ہمیں کیا تعلیم دیتی ہے؟

اس حدیث کو دیکھو کس وضاحت سے حکومت کا احترام سکھاتی ہے۔ خاوند کو بھی بیوی پر ایک قسم کی حکومت

ہوتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر ناراض تھے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان کو کہلا بھیجتے کہ تم اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ بیویوں کو کہلا بھیجتے کہ تم اپنے خاوندوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خاوندوں کو کہلا کر بھیجا۔ کہ وہ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جائیں۔ پھر جب ہلال بن امیہ کی بیوی آپ سے پوچھنے گئیں کہ کیا میں خدمت بھی نہ کروں تو پھر بھی یہ نہیں فرمایا کہ خدمت کر مگر اسکے قریب نہ جا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ خدمت کر مگر وہ تیرے قریب نہ آوے۔ باوجود اس عورت کے مخاطب ہونیکے حکم کا مخاطب خاوند ہی کو قرار دیا ہے۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت پر مرد کے اختیار کا اسقدر لحاظ کیا ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو حکومتوں کے خلاف رعایا کو اکساتے ہیں اور ماں باپ کے خلاف بچوں کو جوش دلاتے ہیں۔ اور اساس تمدن کو توڑتے اور انتظام برباد کرتے ہیں۔

یہ قسم ترک موالات حکومت کے اختیار میں ہے نہ رعیت کے اختیار میں

یہ ترک موالات حکومت کے اختیار میں ہے رعایا کے اختیار میں نہیں ہے اور بلا ان وجوہ کے جنکو شریعت نے بیان کیا ہے ترک موالات کرنیکو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ جیساکہ فرماتے ہیں لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تقاطعوا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا ولا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث متفق علیہ یعنے ایک دوسرے سے بغض نہ کرو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے مخالفت اور عداوت نہ کرو۔ اور ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔ اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بنجاؤ۔ اور کسی مسلمان کے لیئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لیئے تعلقات قطع کرے،، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ افراد کو ان مواقع کے سوا جنمیں شریعت نے ترک موالات کا حکم دیا ہے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنیکا اختیار نہیں۔ پس یہ تیسری قسم ترک موالات کی صرف حکومت کے ہاتھ میں ہے وہ حکومت خواہ سیاسی ہو خواہ مذہبی۔ اور یہ قسم حکومت کے خلاف نہیں استعمال کیجاسکتی۔

حکومت کے سوا کسی کو اختیار نہ دینے کی حکمت

حکومت کے سوا دوسرے لوگوں کو اسکا حکم دینے

کا اختیار نہ دینے کی یہ حکمت ہے کہ اسطرح تفرقہ اور شقاق بڑھتا ہے اور بجائے محبت میں ترقی ہونیکے عداوت پیدا ہو جاتی ہے پس افراد کو تو ترک موالات کرنیسے روکدیا گیا ہے اور حکومت کو اختیار دیا گیا ہے ۔

حکومت کو اختیار دینے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ صاحب الامر کی نظر وسیع ہوتی ہے اور وہ فیصلہ دیتے وقت جلدی نہیں کرتا بلکہ اسکو اپنے فیصلہ کے وسیع اثرات کا خیال ہوتا ہے۔ پس اسکے ہاتھ میں یہ آلہ محفوظ ہوتا ہے اور نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا ۔

یہ قسم ترک موالات بھی موجودہ حالات کے مناسب نہیں

یہ قسم ترک موالات کی بھی موجودہ حالات کے مناسب نہیں کیونکہ اسوقت بجائے حکومت کیطرف سے اسکے استعمال کئے جانیکے حکومت کے خلاف اسکو استعمال کیا جاتا ہے جو بالکل خلاف اصول اور مخالف قرآن و حدیث ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں الامام جنة یقاتل من ورائه امام ایک ڈھال ہوتا ہے اسکے پیچھے کھڑے ہو کر لڑائی کیجاتی ہے" ایسے تمام احکام جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں امام کی معرفت ہی ان پر عمل کیا جاتا ہے ہر ایک شخص کو انکے استعمال کرنیکا حق نہیں ہوتا اور اگر یہ احتیاط نہ کیجائے تو بجز فتنہ اور لوگ اپنے جوش اور غصہ کی حالت میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبیں جیسا کہ آجکل اس حکم کو نظر انداز کرنیکا نتیجہ ہو رہا ہے ۔

موجودہ ترک موالات محض ہوائے نفس کے ماتحت ہے۔ نہ اسلام کی خاطر

پس اے برادران ملک ترک موالات کی کوئی صورت بھی اس زمانہ میں جائز نہیں ہے اور اسوقت سلطانیہ کے خلاف اسکا وجوب الگ رہا شرعی طور سے اسکے جواز کا بھی فتویٰ دینا ظلم اور تعدی ہے اور اگر کوئی شخص اس امر پر جوش اور غضب سے الگ ہو کر سوچیگا تو یقیناً دلائل کے ذریعہ سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچیگا اور شواہد کے ذریعہ سے بھی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ موجودہ شورش صرف خواہشات نفس کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ ادنےٰ تامل سے معلوم کریگا کہ یہ تمام جوش جو اسلام کیطرف منسوب کیا جاتا ہے اسیوقت بھڑکتا ہے جب مادی اسباب پر حملہ ہوتا ہے روحانیت اور مغز اسلام کی حفاظت کیلئے کبھی اسقدر غصہ کا اظہار نہیں کیا جاتا — بلکہ اس تحریک میں حصہ لینے والوں میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو اسلام کے خالص مذہبی احکام سے بالکل بے پرواہ ہیں اور انکا اسقدر بھی خیال نہیں کرتے جتنا کہ ایک اپنے دور کے شناسا کی بات کا حالانکہ اصل چیز تو اسلام ہے ظاہری حکومت یا طاقت تو صرف سہولت کیلئے ہے جب اسلام میں حکومت نہ تھی تب اسلام کی شان میں کوئی فرق نہ تھا اور جب حکومت ملگئی تو اسلام کے حسن میں کوئی زیادتی نہیں ہو گئی اسلام تو بذات خود حسین ہے اور مومن اپنے وجود میں مبارک نہ اسلام ظاہری شان و شوکت کا محتاج ہوتا ہے نہ مومن ظاہری قوت و طاقت کا بھوکا۔ اسلام کا حسن اسکی خوبیاں ہیں اور مومن کی قوت اسکا دل۔ پس دنیا کی حکومت اسلام اور مسلم کے لئے کوئی ضروری چیز نہیں ہے دنیا کی نعمتیں تو اسکی غلام ہوتی ہیں جب وہ انکو حکم دیتا ہے وہ اسکے سامنے اکٹھی ہوتی ہیں اور اسیوقت تک اسکے دوست رہتی ہیں جبتک صداقت کے ابتدائی جوہر اور مومن نے اپنی ذاتی قوت ایمانیہ لوگوں پر ظاہر کرنی ہوتی ہے۔ پس اگر اسلام اور مسلم موجود ہو تو ان چیزوں کی کچھ فکر نہیں ہو سکتی۔ اگر فکر کی بات ہے تو یہ کہ اسلام نہ رہے صداقت مٹ جاوے۔ اور ایمان سلب ہو جاوے

وہ نور سامنے سے ہٹ جاوے جو یار کا چہرہ دکھاتا تھا۔ مومن دنیا پر افسوس نہیں کرتا وہ دین پر افسوس
کرتا ہے۔ اس کے لئے ایک کلمۂ خیر کا بھولنا ظفر و فتح کے بند ہونے سے زیادہ تکلیف دِہ ہوتا
اور وصال یار کا ایک دروازہ بند ہونا دنیا کی سب کامیابیوں کے مُبدل بہ ناکامی ہونے سے
زیادہ موجب گھبراہٹ ہوتا ہے۔ اور اگر ایمان کا مٹنا اور اسلام کا ضعیف ہو جانا انسان کو گراں
نہ گذرے۔ تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس شخص کے دل میں دنیا ہی دنیا کی محبت سما گئی
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ اور یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔ اسلام کی ایک
ایک اینٹ ان کی آنکھوں کے سامنے اُکھاڑی گئی۔ مگر انکے دل میں احساس نہ پیدا ہوا۔ مسلمان
کہلانیوالے لوگوں نے ایک ایک کرکے ارکان اسلام کو خیرباد کہا۔ مگر ان کا دل دردمند نہ ہوا
عقائد صحیحہ کو ایک ایک کرکے چھوڑا گیا۔ بلکہ ان کی پھبتیاں اُڑائی گئیں۔ مگر انہوں نے
بجائے تکلیف محسوس کرنے کے ... ان لطیفہ سنجیوں میں لطف محسوس کیا۔ غرض کوئی صورت
دین کی تخریب کی نہ تھی۔ جو خود مسلمانوں نے نہیں کی۔ اور ہنستے کھیلتے ہوئے نہیں کی۔
خوش چہروں اور مسکراتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ نہیں کی۔ یہاں تک کہ اسلام ایک مُردہ
کی طرح ہو گیا جسمیں روح باقی نہ تھی یا ایک گرے ہوتے مکان کی طرح ہو گیا۔ جسکے ملبہ کو بھی
لوگ اٹھا کر لیگئے۔ اور حاجتمندوں نے اس کی نیوؤں کی اینٹیں بھی اُکھاڑ کر استعمال کر لیں
اور وحشی جانوروں نے اس کی نیوؤں کے اندر اپنا بسیرا بنایا۔ نہیں نہیں وہ ایک مردار کی طرح
ہو گیا۔ جس کو اپنوں نے اپنے گھر سے نکال کر پھینک دیا۔ اور غیروں نے اسکے پاس سے گذرتے
ہوئے اپنی ناکوں پر رومال رکھ لیا۔ مگر ایک مسلمان کا دل بھی اس پر غمگین نہ ہوا۔ اور وہ اسی طرح
عیش و طرب میں مشغول رہے۔ جس طرح کہ پہلے مشغول تھے۔ انکی تیوریوں پر بل نہ پڑا۔ اور انکی آنکھوں
نے افسردگی کی جھلک نہ دکھلائی۔ انہوں نے اپنے کندھے ہلا کر بے پرواہی سے کہدیا کہ اسلام
اگر ہماری ہوا و ہوس کے راستہ میں روک ہے تو اسے تباہ ہونے دو۔ ہمارے عیش میں خلل نہیں
آنا چاہیئے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے وہ چیز جو اسلام کے مقابلہ
میں ایک پشہ کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی تھی۔ لیکن جس سے مسلمان کھلونے کی طرح کھیل رہے
تھے۔ ان کے ہاتھوں سے چھین لی۔ اور اسکو توڑ کر پھینک دیا۔ تو وہ سب یکساں رونے لگ ادر

چلانے لگے اور ماتم کرنے لگے۔ اور آہ و فغاں سے انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کیا یہ بات ان کی آنکھیں کھولنے کے لیئے کافی نہیں۔ کیا ابھی انہیں کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے جس سے ان کو معلوم ہو کہ وہ خدا کے نہیں بلکہ اپنے نفوس کے بندے ہو رہے ہیں۔ اُسوقت اسلام کی محبت کہاں گئی تھی۔ جب ہزاروں مسلمان کہلانیوالے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونیوالے قرآن کریم اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہوئے اسلام کے دشمنوں اور ایمان کی عمارت پر گولہ باری کرنیوالوں کے لشکر میں جماعت در جماعت شامل ہو رہے تھے۔ اور اعداء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں کو قوت دے رہے تھے۔ اسوقت ان کی زبانوں کو کیوں جنبش نہ ہوئی۔ اس وقت ان کے ہاتھوں میں کیوں حرکت پیدا نہ ہوئی۔ اور اسوقت کیوں ان کے خونوں نے جوش نہ مارا۔ کیا خدا اور رسول کے نام کی قیمت اتنی بھی نہیں۔ جتنی کہ عراق یا شام کی سڑکوں پر یورپ نے ظلم کیئے تو ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا۔ لیکن محمد رسول اللہ پر قہر توڑے گئے۔ تو کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ جس رسول کی عظمت اور جس کی محبت کے دعوےٰ میں اسقدر جوش دکھایا جا رہا ہے اس کا یہ قول ان کو یاد نہ رہا کہ ایک نفس کو ہدایت ہو جائے۔ تو وہ جانوروں کے ریوڑوں سے زیادہ بابرکت ہے۔ مگر یہاں تو کسی نفس کو ہدایت دینا تو الگ رہا۔ اسقدر تڑپ بھی نہ پیدا ہوئی کہ جو اپنے تھے۔ انہی کو گمراہ ہونے سے بچایا جائے۔ ایک دو ظاہری علاقوں کے جانے پر اس قدر صدمہ ہوا۔ لیکن لاکھوں رُوحانی نہ جنیں ہاتھ سے نکل گئیں۔ اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اے کاش! اب بھی آنکھ کھلتی۔ اور اب بھی سمجھتے کہ یہ خدا اور رسول کی محبت نہیں۔ بلکہ دنیا کی ہوس ہے۔ آج جن بچوں کو کالجوں سے ہٹایا جا رہا ہے۔ اور ان کی خیر خواہی کا راگ گایا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے یہ بچے کیوں بھولے ہوئے تھے۔ کالجوں سے ہٹانے کے لیئے تو سب سے پہلے ان محرکان ترک موالات کو وہ یاد آئے۔ اور انکی محبت ان کو کالجوں کے ہالوں میں کھینچ کر لائی۔ لیکن جب علی الاعلان وہ خدا کے انکار پر کمربستہ تھے۔ نماز کو ترک کر رہے تھے۔ روزوں کو ایک جرمانہ خیال کرتے تھے۔ حج کو فضول خرچی کا موجب خیال کرتے تھے۔ اسوقت ان کی محبت نے کیوں جوش نہ مارا۔ کیوں ان کو سمجھانے اور سیدھا راستہ دکھانے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ کیا اسی لیئے نہیں کہ اُسوقت ان کے مصرف کے نہ تھے۔ اور اب ان کے ارادوں کو ان سے تقویت پہنچ سکتی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ ترکِ موالات کے بانیوں کو میری یہ تحریر بُری لگیگی۔ اور ان کے فریب خوردہ ساتھی بھی اسپر غصہ کا اظہار کرینگے۔ مگر ان کی ہمدردی اور ان کی خیر خواہی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں سچی سچی بات ان کو سُنا دوں۔ حق ایک سخت کڑوی چیز ہے۔ اور بہت دفعہ انسان خود اپنے آپ کو حق سُنانے سے بھی ڈر جاتا ہے۔ مگر ہم نے اپنی زندگیاں اسی لئے وقف کی ہوئی ہیں اور خدا کے بندوں کی ہدایت کا بار اپنے سروں پر اُٹھایا ہے۔ اور کسی کی مخالفت یا عداوت کی ہمیں پرواہ نہیں۔ طبیب کبھی بیمار کی سختی کو دیکھ کر علاج کو ترک نہیں کرتا۔ پس ہم بھی اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتے۔ اور اپنے بھائیوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہیں۔

اپنی حالت پر نگاہ ڈالو

اے عزیزو! میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس غلطی کو دُور کرنے کے لئے جو اتحادیوں سے ہوئی ہے۔ جدوجہد چھوڑ دو۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اپنی حالت پر نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ تمہارے نفس نے تم کو دھوکا دیا ہے۔ جسے تم اسلام کی محبت سمجھ رہے ہو۔ وہ غلط ایک مقابلہ کی رُوح ہے۔ جو یورپ کی دیکھا دیکھی تمہارے اندر جوش مار رہی ہے۔ اگر اسلام کی محبت ہوتی۔ تو اسوقت کیوں جوش پیدا نہ ہوتا۔ جب خود اسلام پر حملہ ہو رہا تھا۔ یا اب بھی کیوں اس امر کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوتی۔ کہ اسلام سے مسلمانوں کو جو دُوری ہے۔ اُسے دُور کیا جائے۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان اور اس سے محبت پیدا کی جائے۔ یا اسلامی اخلاق اور اسلامی آداب پیدا کئے جائیں۔ ہاں میں تمہیں فقط یہ کہتا ہوں۔ کہ ہر ایک چیز کی طرف اس کے مناسب توجہ دو۔ اگر دنیا کی بادشاہت تم کو مل جائے۔ مگر اسلام نہ ہو۔ تو اس حکومت کا کیا فائدہ؟ اس جدوجہد سے زیادہ اس کے لئے جدوجہد کرو۔ جو اصل مقصود ہے۔ اور اس کام کے لئے بھی جو کوشش کرو۔ وہ اسلام کے اصول کے مطابق ہو نہ کہ اس کے مخالف۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک ہندوستان میں ہر ایک امر کو مذہبی رنگ نہ دیا جائے لوگوں کو جوش نہیں آتا۔ لیکن کیا کسی اچھی بات کے حاصل کرنے کے لئے ناجائز وسائل کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ یہ یورپ کا مقولہ ہے۔ کہ اچھے مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے ذرائع کا استعمال جائز ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں ہے ؎

> اسوقت اس مجرب نسخہ موالات کو استعمال کرو جو ہلاکو خان کے ہاتھ سے عباسی سلطنت کے مٹنے پر استعمال کیا گیا نہ کہ اسکے برعکس ترک موالات کا نسخہ

اے عزیزو! ہوشیار آدمی کسی سبق کو بھلاتا نہیں اور دانا کسی عبرت کی بات کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اس فتنہ کے وقت میں یہ تو سوچو کہ آج سے پونے سات سو سال پہلے اسلامی حکومت کو موجودہ صدمہ سے بہت زیادہ صدمہ پہنچا تھا۔ اب تو کچھ نہ کچھ ڈھانچہ موجود بھی ہے۔ اسوقت تو ہیولی بھی باقی نہ رہا تھا۔ اسوقت کیا ہتھیار تھا جو کام آیا تھا۔ اور کیا گر تھا جس سے یہ سوال حل ہوا تھا۔ ایک دفعہ کا تجربہ شدہ نسخہ اسی قسم کی بیماری کے دوبارہ ظاہر ہونے پر اس بات کا مستحق ہے کہ سب سے پہلے اسی کا تجربہ کیا جائے۔ غور کرو۔ کہ جب ترکوں نے خلافت عباسیہ کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ جب ان کے ٹڈی دل لشکروں کا مقابلہ کرنیوالا مسلمانوں میں کوئی باقی نہ رہا تھا۔ اور جب اسلام کے مقدس مقامات ایک لاوارث کی طرح دشمنوں کے رحم پر تھے اسوقت کیا علاج تھا جو ہمارے آباء نے سوچا تھا۔ اور کیا وہ اس علاج میں کامیاب ہوئے تھے یا ناکام۔ اگر تم کو یاد نہیں کہ انہوں نے کیا تدبیر اختیار کی تھی۔ اور اگر تم اس سبق کو فراموش کر چکے ہو۔ تو سنو اسوقت انہوں نے موالات کے ہتھیار سے نہ کہ ترک موالات کے ہتھیار سے انپر حملہ کیا تھا۔ اور آخر کفر کو فنا کر کے اسی کے جسم اور اسی کے پوست اور اسی کے خون سے اسلام کے لئے ایک نیا جسم تیار کر دیا تھا جسمیں اسلام کی روح نے دنیا کو پھر اپنی جادو بیانی کا والہ و شیدا بنانا شروع کر دیا تھا۔ اسوقت کے علمائے جو اسوقت کے علمائے کہیں علم و فضل میں بڑھ کر تھے۔ اور جن کے عمل کا نتیجہ ان کی رائے کے صائب ہونے پر تصدیق کی مہر لگا چکا ہے یہ راہ اختیار کیا تھا۔ کہ وہ ترکوں کے درباروں اور ان کی مجالس میں گھس گئے تھے۔ اور انھوں نے مسلمانوں کے جسموں پر فتح پانے والوں کے دلوں پر فتح پانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ آخر اس موالات کا یہ اثر ہوا کہ اس بادشاہ کا پوتا جس نے بغداد کی اسلامی حکومت کو تباہ کیا تھا۔ اور اٹھارہ لاکھ مسلمان کے خون سے اس سرزمین کو رنگ دیا تھا۔ اسلام کی غلامی میں داخل ہوا۔ اور خدائے واحد لاشریک کے عبادت گذاروں میں شامل ہو کر ایک نئی اسلامی حکومت کا بانی ہوا جسکے آثار

اب اس موجودہ جنگ میں اگر سٹے ہیں بلکہ اب بھی کچھ نہ کچھ موجود ہی ہیں۔ وجہ کیا ہے کہ اب وہی نسخہ نہیں برتا جاتا۔ بلکہ اسکے بالکل برعکس علاج کیا جاتا ہے۔ اگر اسوقت کے مسلمانوں نے موالات کو اختیار کر کے اسلام کی حفاظت کی تھی تو آج ترک موالات کی کیوں تعلیم دی جاتی ہے۔ کیا کوئی کامیاب نسخہ بھی ترک کیا کرتا ہے؟ کیا اب اسلام میں ہی ایسا جذب نہیں رہا کہ وہ فاتحین کے دلونکو مسخر کر سکے؟ اور انکو اپنی غلامی کے حلقہ میں لا سکے؟ یا تم میں ہی وہ نور ایمان نہیں رہا جو تمہارے آباء میں تھا؟ ان کی باتوں کا دلوں پر اثر ہوتا تھا۔ لیکن تمہاری باتیں بالکل بے اثر ہیں۔ کیا سبب ہے کہ وہ محبت سے دشمن کو دوست بنا لیتے تھے۔ اور تم دوست کو عداوت سے دشمن بنانا چاہتے ہو یا دوست نہ سہی۔ دشمن کو اور بھی زیادہ دشمن بنانا چاہتے ہو۔

اس مذہبی معاملہ میں مسلمان مسٹر گاندھی کی اقتدار میں

کیا تمکو یہ نظر نہیں آتا کہ تم اس صحیح راستہ کو ترک کر کے کہاں کہاں دھکے کھاتے پھرتے ہو؟ اول تو تمام علماء و فضلاء کو چھوڑ کر ایک غیر مسلم کو تم نے لیڈر بنایا ہے۔ کیا اسلام اب اس حد تک گر گیا ہے؟ کہ اس کے ماننے والوں میں سے ایک روح بھی اس قابلیت کی نہیں ہے کہ اس طوفان کے وقت میں اس کشتی کو بھنور سے نکالے اور کامیابی کے کنارے تک پہنچائے؟ کیا اللہ تعالے کو اپنے دین کی اس قدر غیرت بھی نہیں رہی کہ وہ ایسے خطرناک وقت میں کوئی ایسا شخص پیدا کر دے جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا شاگرد اور آپ کے خدام سے ہو؟ اور جو اسوقت مسلمانوں کو اس راستہ پر چلائے جو انکو کامیابی کی منزل تک پہنچائے؟ آہ! تمہاری گستاخیاں یہ کیا رنگ لائیں؟ پہلے تو تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسیح ناصری کا ممنون منت بنایا کرتے تھے۔ اب مسٹر گاندھی کا مرہون احسان بناتے ہو؟ اگر یہ درست ہے کہ ترک موالات سے ایک دو سال میں تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ گے تو اسلام کی دوبارہ زندگی یقیناً مسٹر گاندھی کے ہاتھوں ہوگی۔ اور نعوذ باللہ من ذالک ابد الآباد تک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بار احسان سے انکے سامنے جھکا رہیگا کیونکہ مسٹر گاندھی نے آپ سے کچھ نہیں لیا اور آپ گویا سبھی کچھ مسٹر گاندھی کی عطا سے پا چکے

رے کاش! اس خیال کے دل میں آنے سے پہلے تم نے اس دل ہی کو کیوں نہ نکال کر باہر پھینک دیا؟ مسٹر گاندھی بیشک ایک سنجیدہ اور محنتی سیاسی لیڈر ہیں لیکن انکو اس امر میں اپنا بنانا جس پر تم اسلام کی زندگی اور موت کا انحصار سمجھتے ہو۔ اور جسے تم اہم ترین مذہبی فرائض میں سے خیال کرتے ہو قابل افسوس و حیرت نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا حضرت مسیح ناصری کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا محسن بنا کر تم نے خدا کی غیرت کا مشاہدہ نہ کیا؟ خدا کا مسیح تم کو ہزار سمجھاتا تھا کہ یہ غضب نہ کرو کہ اسلام سے باہر کے نبی کو لاؤ اسلام کا مصلح بناؤ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسکا ممنون بناؤ۔ اپنے رسول کی ہتک کرو اور اسکی عزت بڑھاؤ۔ پہلے اس حرکت کی سزا بہت کچھ پا چکے ہو اور اب اور دیکھو گے۔ جب تم نے مسیح کو رسول خدا پر فضیلت دی تو خدا تعالیٰ نے کیوں نہ سمجھا کہ تم پر فضیلت نہ دے۔ تم نے اسکی آواز کو نہ سنا اور آخر دیکھ لیا کہ خدا کی گرفت کیسی سخت ہوتی ہے۔ تم نے خدا کے محبوب کو حضرت مسیح کا احسانمند بنا کر اسکی گردن اسکے سامنے جھکائی تھی۔ خدا نے تمہاری گردنوں کو ہر جگہ مسیحیوں کے آگے جھکا دیا ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کا ثمرہ ہے۔ اب تم دوسری غلطی کرنے لگے ہو۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسٹر گاندھی کا ممنون احسان بنانے لگے ہو حضرت مسیح تو پھر ایک نبی تھے ایسا شخص کو تم نے اپنا مذہبی راہنما بنا لیا ہے وہ تو ایک مومن بھی نہیں پس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہتک کا نتیجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت دیکھو گے اور اگر باز نہ آئے تو اس جرم میں مسٹر گاندھی کی قوم کی غلامی اس سے زیادہ تمکو کرنی پڑیگی جتنی کہ حضرت مسیح کی امت کی غلامی۔ تم کہتے ہو کہ ہمیں کرنی پڑ رہی ہے پس اب بھی سنبھل جاؤ اور سمجھ لو کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا نجات دہندہ آپ ہی کے غلاموں میں سے ہو سکتا ہے جسکی گردن آپ کے سامنے جھکی ہے نہ یہ کہ آپ کو اسکے سامنے گردن جھکانی پڑے ؛

سوال کا جواب کہ ترک موالات بلکہ ہجرت تک بھی کرکے ہم نے اسکا نتیجہ دیکھ لیا

تمہارے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ ہم ترک موالات کرکے دیکھ لی۔ اور رسول

برطانوی حکومت کی دہلیز پر جبین نیاز رگڑ کر معلوم کرلیا۔ کہ اس دروازہ سے ہمارا سوال پورا ہونیوالا نہیں۔ اور اس درگاہ سے ہماری مراد برآنیوالی نہیں۔ ہم نے انکی غلامی کی۔ ہم نے انکی خوشامد کی۔ ہم نے انکی منت کی۔ ہم نے انکی سماجت کی۔ ہم نے اگر سچ پوچھو تو انکی پرستش کی۔ مگر نتیجہ یہی نکلا۔ کہ انہوں نے ہمارے ہی ہاتھوں ہمارے بھائیوں کے گلے کٹوائے اور پھر ہمیں بھی جواب دیدیا۔ اور اسی گڑھے میں ہم کو دھکیل دیا جو ہمیں سے کھدوایا تھا

میں مانتا ہوں کہ یہ بات درست ہے۔ تم نے اسیطرح کیا جس طرح تم بیان کرتے ہو۔ کہ تم نے کیا اور انہوں نے بھی ویسا ہی بدلہ دیا جیسا کہ تم بیان کرتے ہو کہ انہوں نے بدلہ دیا۔ مگر جانتے ہو کہ "الاعمال بالنیات" کیا یہ سب کچھ کوشش تم نے اسلام کی عظمت اور اسکی ترقی کے لیئے کی تھی؟ تم نے انکی خوشامدیں کیں۔ مگر اپنی جیبوں کو پر کرنے کیلیئے کیں۔ خطابوں کے لیئے کیں۔ نوکریوں کے لیئے کیں۔ جھوٹی عزتوں کے لیئے کیں۔ تم ان سے ملے اور ان سے محبت کے اظہار تم نے کیئے۔ مگر کیا اسلیئے کہ اسطرح تم ان کے دلوں کو اسلام کیلیئے فتح کرو؟ تم اسلیئے ملے تا ان سے سرٹیفکیٹ حاصل کرو۔ خوشنودی کے پروانے لو۔ تم نے محبت کے اظہار کیئے۔ مگر اسلیئے کیئے۔ کہ انکی نگاہ مہر کے تم بھوکے تھے۔ انکی مسکراہٹ کو تم اپنی سب حاجتوں کے پورا ہونے کی کلید سمجھتے تھے۔ انکی نظر کو تم اپنے لیئے خدا کی نظر سے زیادہ مبارک خیال کرتے تھے۔ بیشک تم نے گھٹنوں اور پیروں جبین نیاز رگڑی۔ بلکہ یوں کہو کہ تم نے اس قدر ناک رگڑی کہ تمہاری ناک ہی باقی نہ رہی۔ مگر اس سے یہی ثابت کیا۔ کہ تم منہ سے تو خدائے واحد کے پرستار ہو۔ لیکن اصل میں تم پیسہ کے یار ہو۔ اسکی خاطر تم کو ذلیل سے ذلیل کام کرنے میں بھی عار نہیں۔ تم اس کے پیچھے خدا تعالےٰ کو بھی چھوڑنے کے لیئے تیار ہو۔ تم نے کالجوں میں تعلیم پائی۔ اور انکی زبان سیکھی اور ضرور سیکھی۔ لیکن کیا اسلیئے کہ اس زبان کو سیکھ کر تم انہی کی زبان میں انکو حق پہنچاؤ۔ ان کے وساوس کو معلوم کر کے انکے دور کرنیکی

کوشش کرو۔ اسلام کی خوبیوں سے انکو واقف کرو۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام انکو پہنچاؤ ؟ نہیں۔ بلکہ اسلیئے کہ تم زیادہ عمدگی سے ان کے آگے سوال کرسکو اور انہی کی زبانیں لنکے گیت گا سکو۔ تم نے انکی زبان کیوں سیکھی ؟ کیا قرآن کی خدمت کیلئے ؟ تم تو اسکو پڑھ کر خدا کی باتوں کو بھول گئے۔ تم نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈالدیا۔ اور برکلے اور ہیکل اور سپنسر تمہاری نظر سے ایک دم کیلئے جدا نہ ہوتے تھے۔ تم نے بجائے خدا کے رسول کی باتوں کے پہنچانے کے اس زبان سے مدد لینے کے بخاری اور مسلم کا نام تک بھلا دیا۔ ڈاروِن اور ہکسلے اور جیمز کا وظیفہ ہر دم تمہاری زبان پر رہنے لگا۔ تم کہوگے کہ یہ انگریزی تعلیم کا نقص تھا۔ میں کہتا ہوں یہ انگریزی تعلیم کا نقص نہ تھا۔ یہ تمہاری نیتوں کا نقص تھا اگر تم خدا اور رسول کی محبت رکھتے۔ اگر اسلام کو تم نے خود سمجھا ہوتا تو کیا تم اپنی اولاد کے لیئے نور ایمان کی فکر نہ کرتے۔ اگر تم ذرہ بھی توجہ کرتے تو کیا نور ظلمت کے سامنے ٹھہر سکتا ؟ آؤ تو میں تم کو تمہارے ہی بچوں جیسے اور بچے دکھاؤں جو تمہارے بچوں کی طرح کالجوں میں انہی پروفیسروں سے پڑھتے ہیں جن سے وہ پڑھتے ہیں وہی کتابیں وہ پڑھتے ہیں جو تمہارے بچے پڑھتے ہیں۔ انہی یونیورسٹیوں کا امتحان دیتے ہیں جنکا وہ دیتے ہیں۔ لیکن انکے دل نور ایمان سے معمور ہیں۔ وہ قرآن کریم کو اسلیئے نہیں مانتے کہ انکے باپ دادے اسکو مانتے تھے بلکہ اس لیئے کہ انہوں نے خود پڑھا ہے اور اسکو سچا پایا ہے۔ وہ اسکو قسمیں کھانے کا آلہ نہیں جانتے بلکہ اسے خدا تک سے ملنے کا دروازہ خیال کرتے ہیں۔ اسکو بند کرکے رکھ نہیں چھوڑتے اسکی تلاوت کرتے ہیں۔ طوطے کیطرح نہیں رٹتے بلکہ سمجھ کر پڑھتے ہیں وہ نماز کے عادی ہیں۔ روزوں کا خیال رکھتے ہیں۔ دعا کے منکر نہیں۔ دعاؤں کو اپنی زندگی کا سہارا جانتے ہیں۔ غرض اسلام انکا شعار ہے۔ خدا کی محبت انکی روح ہے اور اسکا ذکر انکی غذا ہے اور اسکے رسول کی ہر ایک بات ان کو پیاری ہے۔ بس یہ نقص کالجوں کا نہیں۔ کورسوں کا نہیں۔ یونیورسٹیوں کا نہیں یہ تمہاری غفلت اور تمہاری سستی کا نتیجہ ہے

فوجی خدمات سے تمہارا مقصود کیا تھا

میں پھر اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ تم جنگ میں گئے۔ اور تم نے خوب جانبازیاں کیں۔ اور ترکوں کو مارا۔ اور ان کے خون سے میدان کو رنگ دیا۔ مگر کیا خدا کے لئے ایسا کیا؟ اس لئے کیا۔ کہ خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ کہ اپنے حاکم کی اطاعت کرو؟ یا جس وقت فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے۔ کہ ہم کافر ہو رہے ہیں۔ اور دس دس روپیہ کے لئے اپنی جان شیطان کے ہاتھ بیچ رہے ہیں۔ اور ہر ایک کارنمایاں جو تم سے ہوتا تھا۔ اسکے بدلہ اپنے افسروں کو زمینوں کی درخواستوں اور خطابات کے مطالبوں سے گھبرا دیتے تھے۔ جس غرض سے تم یہ سب کام کرتے تھے۔ وہ غرض تمہاری ایک حد تک پوری ہو گئی۔ خطاب بھی تم نے پائے۔ نوکریاں بھی حاصل ہوئیں۔ جاگیریں بھی ملیں۔ تمغے بھی لگے۔ غرض تمہارا معراج تم کو حاصل ہو گیا۔ اب اور کونسا تمہارا حق تھا۔ جسکے بدلہ میں تم نے انگریزوں سے ترکوں کی جان بخشی کا سوال کیا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ تم مذہباً اس جنگ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور صرف نوکریوں کی خاطر یا انعام حاصل کرنیکے لئے گورنمنٹ کو خوش کرنے کے لئے یا خطابوں اور جاگیروں کی خواہشات سے فوج میں بھرتی ہو کر جا رہے ہو۔ الا ماشاء اللہ۔ پھر جب وہ دیکھتے تھے کہ تم اپنے عقیدہ کو جو گو غلط تھا۔ مگر بہرحال تم اس کو مانتے تھے۔ دنیاوی فوائد کیلئے قربان کر رہے ہو۔ تو ان کے دلوں پر اسلام کی تعلیم کا کیا اثر ہوتا اور اس موالات سے وہ اسلام کے قریب کیونکر آتے۔

یہ بد نتیجہ تم نے موالات کا نہیں بلکہ اپنی نیتوں کا پایا۔

پس یہ غلط ہے۔ کہ تم نے موالات کا تجربہ کر لیا اور اسکو نقصان دہ پایا۔ تم نے موالات کا بد نتیجہ نہیں دیکھا۔ بلکہ اپنی نیتوں کا بد نتیجہ دیکھا۔ اگر تم ان کو اسلام کی خوبیوں کا قائل کرنیکے لئے ان سے ملتے۔ اپنے کاموں میں دیانتداری اور اخلاص کا نمونہ

دکھاکر اسلام کی تعلیم کا اثر ان پر ثابت کرتے۔ موقعہ ملنے پر ان سے اسلام کے متعلق گفتگو کرتے۔ اور ان کی پرستش نہ کرتے۔ بلکہ ان کو خدائے واحد کی طرف توجہ دلاتے تو کیا ان کے دل پتھر کے تھے۔ کہ ان پر اثر نہ ہوتا وہ انسان ہیں۔ اور حسن پر فدا ہونیکی اہلیت رکھتے ہیں۔ جب ان کی آنکھیں خدا کے ایک نبی کو دیکھکر چندھیا گئیں۔ تو جب وہ خود اللہ تعالیٰ کا چہرہ دیکھینگے تو کیا اسکے نور سے ان کی آنکھیں منور نہ ہونگی۔ جب حضرت مسیحؑ نے ان کو فریفتہ کر لیا۔ تو کیا محمد رسول صلعم انکے دلوں پر قابو نہ پائینگے۔ یقیناً پائینگے اور ضرور پائینگے مگر صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنی پہلی گندی نیتوں کو بدل کر تم میں سے ہر ایک خدا کا بندہ اور اسلام کا شیدائی اور اس کا مبلغ بنکر ان سے موالات کرے اور خوب کرے یہانتک وہ وقت آجاوے جب خدا تعالیٰ کا کلام پورا ہو اور وہ جو آج دشمن ہے کل اسی طرح تمہارا دوست اور اسلام کا دلدادہ ہو جس طرح کسی وقت تمہارے آباء کی موالات کے اثر سے بغداد کو تباہ کرنے والا اور عباسی خلافت کو مٹانیوالا ترک اسلام کا دلدادہ ہو گیا تھا ؂

عیسائیت تمہارا شکار ہے جو تمہارے گھر میں آگیا ہے

تم غصہ میں ہو۔ کہ یہ لوگ ہماری غفلت سے فائدہ اٹھاکر ہمارے گھر میں گھس آئے ہیں۔ لیکن مسلم تو شیر ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔ کیا شیر بھی افسوس کرتا ہے۔ کہ اس کا شکار اسکی کچھار میں گھس آیا کیا وہ اس کو حیلوں سے باہر نکالنا چاہتا ہے یا اسکو اپنا شکار بنانا چاہتا ہے۔ جس طرح تمہارے آباء نے اسوقت جب ترک انکی غفلت سے فائدہ اٹھاکر عراق میں گھس آئے تھے۔ انکو ترک موالات کا ہتھیار استعمال کرکے باہر نہیں نکالا بلکہ انپر موالات کی کمند ڈالکر ہمیشہ کے لئے اپنا بنالیا تم کیوں اسی طرح نہیں کرتے اگر تم سچے ہو تو ہر ایک شخص جو تمہارے راستہ میں آتا ہے تمہارا شکار ہے بے شک یہ افسوس کی بات ہے کہ تمہارے شکار کو یہ جرأت ہوئی کہ خود تمہارے راستہ میں آتا ہے

مگر جب وہ آگیا۔ تو اب اس کی آمد سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور آیندہ کے لئے اپنی غفلت کو ترک کرنا چاہیئے ۔

ارض مقدسہ کا تمہارے ہاتھ سے نکلنا اور اسکے متعلق سابقہ نوشتے

تم چڑتے ہو کہ ارض مقدسہ تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی مگر کیا تم قرآن کریم کو کھول کر نہیں دیکھتے۔ کہ ارض مقدس کا ملنا ترک موالات پر مقدر نہیں ہے بلکہ عبادت پر۔ اور زبور کو نہیں کھولتے جس کا حوالہ خود قرآن کریم نے دیا ہے۔ جہاں صاف لکھا ہے۔ کہ۔ ارض مقدسہ جب غیر قوموں کے ہاتھ میں چلی جاوے تو غصہ نہ ہو اور کڑھو نہیں اور نہ جوش میں آجاؤ۔ تا ایسا نہ ہو اس جوش کی حالت میں تو کوئی برا کام کر بیٹھے۔ بلکہ صبر سے اسوقت کا انتظار کیجیو جب خود اللہ تعالیٰ تیری مدد کو آدیگا۔ پس اسی پیشگوئی کو مدنظر رکھو اور خدا تعالیٰ کے حضور میں گر کر اسکے سچے عبد ہونیکی کوشش کرو تا وہ تمہاری مصیبتوں کو دور کر دے اور ایسے نازک وقت میں قرآن کریم کی تعلیم کو بگاڑ کر خدا تعالیٰ کے غضب کو مت بھڑکاؤ وہ جو امن پھیلانے کے لئے آیا تھا اور رحمت کا فرشتہ تھا۔ اسے دشمنوں کی نظر میں ایک آتشی دیو ثابت نہ کرو۔ بلکہ دوسروں کو جو سرکشی پر آمادہ ہوں روکو اور قرآن کریم کی قوت قدسیہ پر یقین رکھتے ہوئے اور اس کے اثر پر ایمان لاتے ہوئے۔ ان اقوام کے اندر گھس جاؤ جو آج اسلام کی منکر ہیں تا وہ اس پاک سے روشنی لیں ۔

یہ یقین نہ کرو کہ تمہارے دور رہنے سے انکی اصلاح ہو جائیگی۔ دشمنی انسان کی آنکھ کو بند کر دیتی ہے اور عداوت اندھا کر دیتی ہے۔ پس عداوت اور فتنہ کا بیج مت بو اور صلح اور آشتی کے ساتھ کام کرو۔ اور ناامیدی کو پاس پھٹکنے مت دو کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرنا پھونکی گئی ہے بشارت اور خوشخبری کی قرنا اسلام کی فتح اور کامیابی کی قرنا وہی جو آج سے پہلے وقتاً فوقتاً پھونکی

جاتی رہی ہے۔ اور جو جب جب پھونکی جاتی رہی ہے۔ اس نے دنیا میں ایک حشر برپا کر دیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح نے اسلام کی حالت کو دیکھ کر خدا کے فضل کو جذب کیا ہے جو مسیح موعودؑ کی شکل میں اس دنیا پر ظاہر ہوا ہے۔ پس اسلام کی فتح سے ناامید نہ ہو اس کی فتح تو مقدر ہو کر رہیگی تم اپنی فکر کرو کہ ایسا نہ ہو دوسرے کاموں میں لگے رہو اور اس برکت کے پانے سے محروم رہو جس کی دنیا کو تیرہ سو سال سے امید تھی۔ اور جسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سلام بھیجا تھا۔ واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین؛

خاکسار

میرزا محمود احمد

فہرست مضامین